زندہ لاشوں کی مدد کے لیے جارڈن کا سفر

سفرنامہ

JORDAN

مفتی خالد ایوب مصباحی شیرانی

SABIYA VIRTUAL PUBLICATION

زندہ لاشوں کی مدد کے لیے جارڈن کا سفر

سفرنامہ اردن

JORDAN

مفتی خالد ایوب مصباحی شیرانی

SABIYA VIRTUAL PUBLICATION

بسم الله الرحمن الرحيم

سفرنامہ اردن

زندہ لاشوں کی مدد کے لیے جارڈن کا سفر

از قلم : مفتی خالد ایوب مصباحی شیرانی

زبان : اردو

موضوع : سفرنامہ

ناشر : صابیا ورچوئل پبلی کیشن

ڈیزائننگ : پیور سنی گرافکس

سَنہ اشاعت : شوال 1443ھ (مئی 2022)

صفحات : 64

قیمت : ---

All Rights Reserved.

Sabiya Virtual Publication

Powered by Abde Mustafa Official

Contact : +919102520764 (WhatsApp)

Mail : abdemustafa78692@gmail.com

CONTENTS

جارڈن کا موسم بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے	8
جارڈن بھر میں ریلوے لائن بہت کم ہے	8
اس مقدس جماعت میں کتنے افراد ہیں؟ قرآن کہتا ہے:	10
جمعہ کا دن جارڈن میں چھٹی کا دن ہوتا ہے	12
اسلامی تاریخ میں اس بحر میت کی حیثیت	20
حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ جنگ یرموک کے فاتح ہیں	21
پہلا بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ	34
اسرائیل کی ظالمانہ پالیسیوں کے بارے میں	41
شذراتی باتیں:۔	45
اردن کے بادشاہ عبداللہ دوم ہاشمی گھرانے کے فرد ہیں	45
جارڈن کی خوراک مقوی ہے	47
جارڈن کی پوشاک	47
پتھریلے علاقوں کی وجہ سے یہاں کی عام زمینیں کاشت کے قابل نہیں	47
اس سفر کا رسپونس:۔	47
عالم اسلام کی حالت زار:۔	60
ہند سطح پر امت کے درد کا کامیاب علاج:۔	61

30/مئی، بدھ:۔ شام اسلامی دنیا کا وہ مقدس ترین ملک ہے جسے قرآن پاک میں تقریبا چار مرتبہ برکت والی زمین کہا گیا اور حدیث پاک میں بھی اس کے لیے اسپیشل دعائیں کی گئیں۔ واضح رہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جب شام کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا دائرہ موجودہ ملک "سیریا" تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے دامن میں موجودہ فلسطین، اردن اور عراق کے کچھ علاقوں سمیت خاصا حصہ آتا ہے۔

اس زمین کے منجملہ فضائل میں سے ایک اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت سے قبل دو بار اس ملک کا سفر فرمایا۔ پیغمبروں کی اس زمین کے متعلق یہ بھی فرمایا گیا: کہ جب اہل شام میں تباہی مچے گی تو دوسری دنیا بھی پر سکون نہیں رہ سکے گی۔ بہت ممکن ہے دنیا کے موجودہ اضطراب کی بڑی وجہ شام کی قیامت خیز تباہی ہو۔

اللہ کیفر کردار تک پہنچائے "داعش" نامی مشہور یہودی دہشت گرد تنظیم کو جس نے اپنے آغاز سے ہی نہ صرف یہ کہ سیریا کو تباہ کیا ہے بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو بھی بے پناہ فکری زک پہنچایا ہے اور اسلام کو بدنام کر کے مسلمانوں کا منو بل توڑا ہے۔ فی الوقت اس ملک کی سوا دو کروڑ آبادی ہے، لیکن مقام حیرت ہے کہ اس کل آبادی کا تقریبا اٹھارہ فیصد سے زیادہ حصہ اپنے ملک سے باہر دوسرے ممالک کے رحم و کرم پر ہے یعنی 50 لاکھ لوگ دوسرے ملکوں میں خیموں میں پناہ گزیں ہیں اور اس سے بھی زیادہ حصہ بے گھر لوگوں کا ہے یعنی 60 لاکھ لوگ آج بھی اپنے ملک میں ہوتے ہوئے بے گھر ہیں۔ جبکہ باقی لوگ جو اپنے گھروں میں رہ رہے ہیں جن کی تعداد تقریبا ایک کروڑ 35 لاکھ ہوتی ہے، ان کو بھی علی الفور مدد کی ضرورت ہے، وہ بھی انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اخلاقی قدروں کے اس دور میں نہ ان کا کوئی پرسان حال ہے اور نہ کوئی حقوق انسانی کی تنظیم ان کی خبر گیر۔

یہ آنکڑے بتاتے ہیں کہ اگر پیغمبر اسلام ﷺ نے شام کی تباہی کو دنیا کی بربادی کا شاخسانہ نہ بھی قرار دیا ہوتا تو خود بخود ان مظلوموں کی آہیں بھی دنیا کے لیے باب اجابت سے ٹکرا ٹکرا کر تباہی کا پیغام ضرور لاتیں۔

ان شامی مظلوموں کی تقریبا 19 لاکھ اور 20 ہزار کی تعداد وہ ہے جو اپنے پڑوسی ملک جارڈن میں پناہ گزیں ہے۔ جارڈن روحانی طور پر مالا مال ہے لیکن مادی طور پر بذات خود ایک غریب ملک ہے جس کے پاس خاطر خواہ ذرائع آمد نہیں اور عرب ممالک میں ہوتے ہوئے آج بھی وہاں کی سڑکوں پر بھکاری دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ وہی مبارک خطہ ہے جسے کبھی اردن کہا جاتا تھا اور اب عربی میں "المملكة الاردنية الهاشمية" اور انگریزی میں "جارڈن" کہا جاتا ہے۔ احادیث کریمہ میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے اور سفر شام کے دوران پیغمبر اسلام ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے بھی یہ ملک شرف یاب ہو چکا ہے۔ کچھ نبیوں کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف رکھنے والے اس ملک میں اس وقت ایک حد تک ماڈرن اسلام کا تسلط ہے جس کی بنیادی وجہ یہاں کے بادشاہ کی عیش مزاجی اور مادیت پسندی ہے۔ تاہم موجودہ بے غیرت عرب دنیا کے مقابل مظلوم شامیوں کے تئیں اردن کی یہ مہربانی قابل ذکر ہے کہ اس نے اتنی بڑی تعداد کو اپنی غربت کے باوجود پناہ دے رکھی ہے۔ لیکن خیال رہنا چاہیے کہ جارڈن کی یہ پناہ صرف پناہ ہے، جس میں نہ کچھ سہولت ہے اور نہ کوئی خاص آزادی بلکہ ہم نے یہ مشاہدہ کیا کہ سیریا اور جارڈن کے جن سرحدی علاقوں سے متّصل مظلوم شامیوں کے یہ خیمے ہیں، ان خیموں کے لیے کوئی ڈیڑھ سو/دو سو کلومیٹر کا ایک دائرہ محدود کر دیا گیا ہے اور اس کی ویسے ہی تار بندی کر دی گئی ہے جیسے دو ملکوں کی سرحدوں کی ہوا کرتی ہے تاکہ یہ شامی پناہ گزیں، جارڈن کے دوسرے علاقوں میں منتقل نہ ہو سکیں۔

اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مظلوم شامی جب عام طور پر کسی بڑے شہر میں آجا نہیں سکتے تو نہ کوئی قابل ذکر ملازمت کر پاتے ہیں اور نہ زندگی کی دوسری ضروریات فراہم کر پاتے ہیں۔ گویا خیموں کی یہ دنیا، ایک الگ ملک بن گئی ہے جس ملک میں نہ کوئی اسکول ہے، نہ ہاسپٹل، نہ بزنس ہے، نہ ملازمت کے خاطر خواہ مواقع، نہ بجلی کا معقول انتظام ہے اور نہ میٹھے پانی کا۔ ان مہاجرین سے پوچھنے پر پتہ چلا ان بے چاروں کو پینے کا پانی بھی خریدنا پڑتا ہے جبکہ غربت اور بے بسی کا حال یہ ہے کہ کینسر کے مریض

بھی اپنے مرض کو دیکھ کر کڑھن محسوس کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے اور کریں بھی کیسے ؟ ان کے اس علاقے میں کون سا قابل ذکر ہاسپٹل ہے جہاں یہ علاج کرواسکیں، کہیں دور دراز کوئی ڈسپنسری ٹائپ کے چھوٹے ہاسپٹل مل جاتے ہیں جن کی عمارت کا رقبہ ہی چغلی کھاتا ہے کہ یہاں نزلہ زکام کی دوا کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ سچ کہیے تو ان شامیوں کی زندگی کا اس کے علاوہ کوئی حاصل نہیں کہ زندگی کی باقی سانسیں گن لیں اور موت کے حوالے ہو جائیں۔

اس مظلوم طبقے کی مدد کے لیے ہندوستان کے مسلم طلبہ کی نمائندہ تنظیم مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آف انڈیا نے ملک کی دوسری متحرک تنظیموں کے ساتھ مل کر ایک تحریک چلائی ، فنڈ اکھٹا کیا، اسے جارڈن میں کافی متحرک یوروپین تنظیم "اسلامک ہیلپ" تک پہنچایا، اسلامک ہیلپ جو اس سلسلے میں پہلے سے کافی متحرک رہی ہے اور جسے ان پناہ گزینوں کی ضروریات کا خوب علم ہے، اس فنڈ سے ان کے لیے خورد و نوش کی ضروری اشیا کی خرید کی اور پھر اسی کی تقسیم کے لیے انڈیا سے ایک تین نفری قافلہ روانہ ہوا جس میں ایم ایس او کی نمائندگی راقم الحروف خالد ایوب مصباحی شیرانی نے کی جبکہ بنگلور کی تنظیم "امام احمد رضا موومینٹ" کے بانی سید صادق ارشاد اور "آسرا فاؤنڈیشن"، ناگ پور کے ڈاکٹر اویس حسن صاحبان نے اپنی تنظیموں کی نمائندگی کی۔

30 مئی ، بدھ شام تک تینوں احباب اپنے اپنے خطوں سے دہلی پہنچے ،افطار کیا، حضرت نظام الدین اولیا کے دربار میں حاضری دی اور پھر ایئرپورٹ۔ آج کی قسط میں فلائٹ کا ٹائم نہیں ہوا، سو اڑان کے لیے اگلی قسط۔

31/ مئی ، جمعرات:۔ اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایرپورٹ ، دہلی میں ایک سنگین مسئلہ در پیش آ گیا، جس نے کچھ گھنٹوں کے لیے بڑا پریشان کر دیا اور نوبت فی الوقت پلانڈ فلائٹ کینسل کرنے تک آ پہنچی بلکہ دن میں گیارہ بجے کی فلائٹ سے نئے ٹکٹ بھی بنا لیے گئے لیکن پھر اللہ تعالی نے سبب پیدا فرما دیا اور شیڈول میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کیے بنا، اسی فلائٹ سے جانا ہو گیا جس کی تیاری سے آئے تھے۔

بات یہ تھی کہ کوئی خاص قسم کا کوڈ ہوتا ہے جو ایک ایئرپورٹ ٹکٹ چیکنگ اسٹاف ، دوسری ایئرپورٹ کے ٹکٹ چکنگ اسٹاف تک منتقل کیا کرتا ہے، یہ صورت حال صرف آن ارائیول ویزا والوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے اور شاید یہ کوڈ آن ارائیول ویزا کی تصدیق ہوتا ہے، ہمارے ٹکٹ کے تعلق سے یہ کوڈ جارڈن ایئرپورٹ سے دہلی ایئرپورٹ منتقل ہونا تھا لیکن دہلی ایئرپورٹ چیکنگ اسٹاف کا کہنا تھا: ہمارے سسٹم میں شو نہیں ہو رہا ہے جبکہ جارڈن ایئرپورٹ اسٹاف کا کہنا تھا: ہمارے یہاں سے منتقل ہو چکا ہے۔ انتقال اور عدم انتقال کی اسی کشمکش میں ہم مسافروں پر بن آئی اور کوئی ڈھائی تین گھنٹہ کا وقت گزر گیا لیکن مسئلے کا کوئی حل نہ نکلا اور مجبورا برادرم شجاعت علی قادری، محترم عمران احمد اور جناب فہیم احمد صاحبان نے کافی محنتیں کرنے کے بعد لگ لگا کر گیارہ بجے کی فلائٹ سے نیا ٹکٹ بنوالیا۔

لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چیکنگ کے بالکل آخری وقت میں اس چیکنگ اسٹاف میں ایک بندے سے ناگ پور کے واسطے سے ہمارے رفیق سفر ڈاکٹر اویس حسن صاحب کی شناسائی نکل آئی اور بگڑی بات بننے لگی اور بنی بھی ایسی کہ اب نہ کوئی تفتیش ہوئی اور نہ پریشانی، ڈائرکٹ فلائٹ میں پہنچ کر دم لینا ہوا۔ اسے تائید غیبی ہی کہا جا سکتا ہے۔

اس ڈھائی تین گھنٹہ کی کشمکش کے دوران وہاٹس ایپ میسیجز کی چیکنگ کے ساتھ سحری اور نماز فجر کا کام پورا کیا جا چکا تھا، فلائٹ میں پہنچ کر صرف سونا تھا۔ انڈیا کے پانچ بجے فلائٹ کو اڑان بھرنی تھی اور تین گھنٹہ اور بیس منٹ کی مسافرت کے بعد عمان کے چھ بج کر پچاس منٹ پر مسقط ایئرپورٹ پر اترنا تھا جبکہ اس وقت انڈیا میں ساڑھے آٹھ بج چکے ہوں گے۔ مسقط میں کئی گھنٹے رکنا ہوا اور قدرے آرام بھی۔ مسقط سے دو بج کر پچاس منٹ پر عمان کے لیے اڑان بھرنی تھی جس کا دورانیہ تین گھنٹہ اور چالیس منٹ کا تھا لیکن جب عمان کے کوئن عالیہ ایئرپورٹ پر پہنچے، ساڑھے پانچ بج رہے تھے یعنی یہاں کا وقت مسقط کے وقت سے ایک گھنٹہ پیچھے ہے، یہ ایک گھنٹہ اور دہلی سے مسقط کا ڈیڑھ گھنٹہ ملا کر انڈیا سے عمان کا کل ڈھائی گھنٹہ کا فاصلہ ہو جاتا ہے۔ دراصل اصول یہ ہے کہ جیسے جیسے مغرب کی جانب سفر بڑھتا ہے، سفر کی طولانی کے ساتھ ہی وقت میں بھی فرق آتا رہتا ہے، لیکن ہمارے لیے جو سب

سے بڑا اندیشہ تھا، وہ وقت کی زیادتی کے ساتھ روزہ کے طول کا مسئلہ تھا کیوں کہ جیسے انڈیا سے مسقط تک پہنچتے پہنچتے ہمارے لیے ڈیڑھ گھنٹہ بڑھ چکا تھا، اسی طرح مسقط سے عمان پہنچتے پہنچتے ایک گھنٹہ اور مزید ہو چکا تھا۔ اس طرح دہلی کی سحری سے عمان کے افطار تک ہمارے لیے عام دنوں کے مقابلے روزہ کا دورانیہ ڈھائی گھنٹہ بڑھ چکا تھا، لیکن اسے اسلام کی روحانی طاقت کہا جائے یا روزہ کی کرامت شمار کیا جائے، معمول میں اس غیر معمولی تبدیلی کے باوجود ہمیں کسی طرح کی مشقت کا احساس تک نہ ہوا۔

ویسے اس طولانی کا ٹھیک انتقام اس وقت لے لیا گیا جب واپسی میں عمان سے مسقط اور مسقط سے دہلی پہنچے، یہ روزہ انڈیا کے روزے سے تقریباً ڈھائی گھنٹہ پہلے افطار ہو گیا لیکن یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جیسے جانے میں طولانی کا احساس نہیں ہوا تھا، واپسی میں کمی کا بھی کچھ خاص احساس نہ ہوا۔ ویسے ہی جیسے یہ اتفاق ہے کہ دہلی سے دہلی تک کا آنے جانے کی چاروں فلائٹس کا سفر عمان ایئرویز "الطیران العمانی" سے طے ہوا۔

اس موقع پر ایک خاص وضاحت ضروری ہے جس میں اکثر تردد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ عمان بفتح العین ایک عرب ملک ہے جس کی راج دھانی مسقط ہے اور عمان بضم العین جارڈن نامی عرب ملک کی راج دھانی ہے۔

عمان رہنے لائق شہر ہے۔ بلا کا نشیب و فراز، جو دیکھتے ہی آنکھوں کو بھا جائے، غضب کی خوب صورت عمارتیں اور وہ بھی سب یک رنگی، جو ہر صاحب ذوق سلیم کے لیے باعث کشش ہوں اور نادر موسم جو اپنی مثال آپ ہے۔ کشادہ روڑوں کے درمیان پوری تیز رفتاری کے ساتھ صرف فور ویلر گاڑیاں دوڑتی نظر آتی ہیں۔ تین چار دنوں کے دوران شاید تین چار ٹو ویلر گاڑیاں نظر آئی ہوں گی۔ ایک آدمی کو سفر کرنا ہو یا پوری فیملی کو، سب فور ویلر سے سفر کرتے ہیں، ایک ایک گھر میں کئی کئی فور ویلر گاڑیاں گھروں کی رونق بڑھاتی ہیں اور گاڑیاں بھی نہایت قیمتی۔ ایسا لگتا ہے جیسے فور ویلر گاڑیوں سے چلنا یہاں کے کلچر کا حصہ ہے۔ پورے شہر کا وزٹ کر لیجیے کہیں سے کہیں تک یہ احساس نہیں ہوتا ہم کسی غریب ملک میں ہیں۔

جارڈن کا موسم بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ دن میں گرمی، شام کو ٹھنڈک اور رات میں اتنی سردی کہ بنا گرم لباس کے باہر نکلنا ممکن نہ ہو۔ ہمیں بتایا گیا: یہاں کچھ دن ایسے بھی آتے ہیں جب درجہ حرارت مائنس 20 رہتا ہے اور اس دوران پورا شہر اپنے گھروں کے حصار میں مقیّد ہو جاتا ہے۔

جارڈن بھر میں ریلوے لائن بہت کم ہے اور جن خاص شہروں میں ریل کی سہولت ہے بھی، وہ بہت قدیم سسٹم کے تحت ہے جس میں یہاں کے باشندوں کو کوئی دل چسپی نہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ کے نام پر یہاں کئی سو گاڑیوں کے بعد ایک آدھ ٹیکسی گاڑیاں اور کہیں کہیں سٹی بسیں نظر آ جاتی ہیں اور بس۔ ورنہ نہ رکشے ہیں اور نہ کوئی عام سواری گاڑی۔ بلکہ دوسرے اینگل سے دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہاں پبلک ہی نہیں۔ نہ کہیں پبلک ہنگامے، نہ ٹرافک، نہ کہیں انسانوں کا ہجوم اور نہ دوکانوں پر ازدہام۔ یہ بات ہماری ہندوستانی نگاہوں کے لیے بڑی عجیب تھی بلکہ ایک بار تو ڈاکٹر خالد جمعہ سے ہم نے سوال کر ہی لیا: شیخ! جب عرب لوگ تین تین چار چار شادیاں کرتے ہیں اور ایک ایک بیوی سے سات سات آٹھ آٹھ بچے تولد ہوتے ہیں تو آخر وہ تعداد نظر کیوں نہیں آتی؟ شیخ نے بتایا: عمان سمیت جارڈن میں بڑی تعداد غیر عرب لوگوں کی ہے بلکہ خاص طور سے شہروں میں غیر عرب زیادہ آباد ہیں۔ غیر عرب سے مراد فلسطینی، سوڈانی اور شامی وغیرہ ہیں۔

یہ ڈاکٹر خالد جمعہ اصلا سوڈان کے رہنے والے ہیں اور اب جارڈن کے باشندے ہیں۔ ان کے ایک صاحب زادے نے کینیڈا کی نیشنلٹی لے رکھی ہے اور باقی چھ بچوں کی بھی خواہش جارڈن سے باہر رہنے کی ہے۔ 65 سال کا یہ بوڑھا آدمی آج بھی 40 سالہ ادھیڑ کی چستی رکھتا ہے اور پچیس کلو گرام کے دو کٹ دونوں بازوؤں میں ایک ساتھ اٹھا کر مستی کے ساتھ چلتا ہے۔ انھیں ہم پیار سے اپنے درمیان چچا کہہ کر پکارتے تھے۔ چچا جارڈن آرمی سے ریٹائرڈ ہیں اور جسمانی طور پر بہت فٹ ہیں۔ سروس کے دوران عراق ایران کی جنگ میں عراق کی طرف سے لڑ چکے ہیں۔ جارڈن کے گزشتہ بادشاہ کے خاص گارڈ رہ چکے ہیں۔ فی الوقت یوروپ سے لیڈ ہونے والی معروف تنظیم "اسلامک ہیلپ" کے لیے کام کر رہے ہیں۔ عربی کی طرح فراٹے دار انگلش بولتے ہیں۔ مسلم دنیا پر خاص نگاہ رکھتے ہیں اور

سیاست کو بہت قریب سے سمجھتے ہیں۔ اسلام کی بھی خاصی معلومات رکھتے ہیں اور گفتگو کے دوران آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے خوب استدلال کرتے ہیں۔ فلسطین سے خاص ہم دردی رکھتے ہیں اور لازما یہود سے کماحقہ بیر بھی۔

جارڈن میں ہماری رسائی اور کل کارکردگی چچا کی تنظیم "اسلامک ہیلپ" ہی کے ذریعہ ہوئی اور اسی تنظیم نے اشیائے خورد و نوش کی خرید سے لے کر تقسیم تک ہر موڑ پر ہماری مدد کی یعنی اگر اس تنظیم کو بیچ سے ہٹا لیا جائے تو یہ سفر ممکن نہیں تھا۔ یہ تنظیم ایک متحریک تنظیم ہے اور اس کے کام کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے لیکن شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ کم سے کم جارڈن کی حد تک یہ تنظیم ہمارے چچا کی محنتوں پر موقوف ہے۔

عمان ایئرپورٹ پر رسیو کرنے سے لے کر ہر مقدس مقام کی زیارت تک چچا نے اپنے چھوٹے بیٹے شعیب کو ہمارے لیے وقف کر رکھا تھا جو پیشے سے سافٹ وئیر انجینیر ہے۔ سادہ لوح بچہ ہے لیکن باپ کی مذہبی صحبت کا اثر صاف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہاں! شعیب کے ساتھ ایک پروبلم کمیونیکیشن کا ضرور تھا، ہم اس کی بات کم سمجھ پاتے اور وہ ہماری بکواس تک نہیں پہنچ پاتا جبکہ چچا کئی بار اشاروں میں سمجھ جاتے اور ایسا نہیں محسوس ہونے دیتے کہ ہم کسی عرب ملک میں، کسی عربی کے ساتھ ہیں۔

چچا کی ایک بات یہ بھی تھی کہ چچا جب بولنے پر آتے تو اپنی معلومات، اپنے تجربات اور عربی اور انگلش زبانوں پر اپنی مضبوط گرفت کی وجہ سے بولتے ہی چلے جاتے، کبھی کبھار تو یہ احساس ہونے لگتا: ہم نے چچا سے سوال کر کے غلطی کی ہے اور پھنس گئے ہیں۔

چچا کی ڈرائیورنگ بھی خوب تھی۔ اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی چلاتے کہ آنکھیں مخمور ہونے کے باوجود کیا مجال پلک بھی جھپک سکے۔ چچا کی ڈرائیورنگ میں جو اٹھا پٹخ ہوتی، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا دوش سڑکوں کے نشیب و فراز کو دیا جائے یا چچا کے جذبات کو۔ دل کی تیز دھڑکنوں کے

ساتھ صرف دو ہی باتوں کا خیال رہتا: بیلٹ مضبوط بندھا ہونا چاہیے اور ہاتھ سے گاڑی کی کنڈی نہیں چھوٹنی چاہیے، ورنہ سر مبارک کبھی بھی چھت سے ملاقات کر سکتا ہے۔

شاید ہم تیز رفتار گاڑی سے کافی دور نکل آئے ہیں، ابھی ہمیں شہر کے وسط میں واقع کئی منزلہ اپ ڈیٹ ہوٹل "فندق الفنار" میں افطار کر کے صرف آرام کرنا تھا کیوں کہ تھکاوٹ اس قدر زیادہ ہے کہ نماز عشا بھی سحری کے وقت ہی پڑھ پائیں گے۔ ہاں! کل کے لیے تیار رہیے گا، کل کی تاریخ بڑی اہم ہے اور کئی مقدس مقامات کی زیارت کرنی ہے، فی الوقت لائٹ آف کر دیجیے اور پڑھیے: اللھم باسمك اموت و احیی۔

1/جون، جمعہ:۔ شاید تھکاوٹ زیادہ تھی، سحری کے لیے آنکھ بھی اس وقت کھلی جب ختم سحری میں صرف 20 منٹ باقی تھے، جلدی سے 5 رکعت نماز عشا پڑھی اور جیسے تیسے نمکین بسکٹ ٹھونس کر گٹ گٹ پانی کی بوتل انڈیل لی اور یوں جارڈن کی پہلی سحری ہو گئی۔ رات میں بے سدھ پڑا دیکھ کر جارڈن کے موسم نے بھی اپنا کام کر دیا تھا یعنی جارڈن کی پہلی صبح کے ساتھ ہی زکام کا تحفہ بھی تھا۔

آج کا دن مقدس مقامات کی زیارتوں کے لیے خاص تھا۔ دن کے دس بجے شعیب میاں کے ساتھ سب سے پہلی زیارت کے لیے روانگی ہوئی۔ عمان شہر کے نشیب و فراز کا لطف لیتے ہوئے عمان ہی کے ایک پہاڑ کی جڑ میں پہنچ کر گاڑی رکی اور گیٹ سے اندر ہوتے ہوئے کچھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک غار کے دہانے پر پہنچے۔ یہ وہی باعظمت غار ہے جس سے منسوب قرآن کریم میں پوری ایک سورت موجود ہے، "سورہ کہف"۔ اسی غار کے مکینوں کو "اصحاب کہف" کہا جاتا ہے۔

اس مقدس جماعت میں کتنے افراد ہیں؟ قرآن کہتا ہے: سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا۔ (سورہ کہف، 22) اب لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں (جبکہ) چوتھا ان کا کتا ہے

اور کچھ کہیں گے: وہ پانچ ہیں (اور) چھٹا ان کا کتا ہے (یہ سب) بغیر دیکھے اندازے ہیں اور کچھ کہیں گے: وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ تم فرماؤ! میرا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے۔ انھیں بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں۔ تو ان کے بارے میں بحث نہ کرو مگر اتنی ہی جتنی ظاہر ہو چکی ہے اور ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ نہ پوچھو۔

آیت کریمہ میں فرمایا گیا، انھیں بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی فرماتے ہیں: میں انھیں قلیل لوگوں میں سے ہوں جن کا آیت میں اِستثنا فرمایا۔ اور انھوں نے جو نام بتائے ہیں وہ سات ہیں: (1) مکسلمینا، (2) یملیخا، (3) مرطونس، (4) بینونس، (5) سارینونس، (6) ذونوانس، (7) کشفیط طنونس اور اُن کے کتے کا نام قطمیر ہے۔

(تفسیر خازن، سورہ کہف، تحت الآیۃ: 22)

یہ بندگان خدا حضرت سیدنا عیسی علیہ السلام کے امتی اور اس امت کے عظیم اولیائے کرام تھے، جو ظالم بادشاہ دقیانوس سے اپنا بچانے کے لیے اس غار میں آکر روپوش ہوئے۔ اللہ تعالی نے تین سو نو سال تک ان پر نیند مسلط کر دی۔ تین سو نو سال بعد یہ بیدار ہوئے اور پھر وہ پورا واقعہ پیش آیا جو ہر ذی علم کے سینے میں نقش ہے۔

یہ اس قدر تقدس مآب ہستیاں ہیں کہ ان کے نام سے مصیبتیں کنارہ کاٹتی ہیں، ہمارے اسلاف نے ان کے ناموں کی کچھ برکتیں بتائی ہیں جیسے: اگر ان کے نام لکھ کر دروازے پر لگا دیئے جائیں تو مکان جلنے سے محفوظ رہتا ہے، سرمایہ پر رکھ دیئے جائیں تو چوری نہیں ہوتا، کشتی یا جہاز اُن کی برکت سے غرق نہیں ہوتا، بھاگا ہوا شخص ان کی برکت سے واپس آجاتا ہے، کہیں آگ لگی ہو اور یہ نام کپڑے میں لپیٹ کر ڈال دیئے جائیں تو وہ بجھ جاتی ہے، بچے کے رونے، باری کے بخار، دردِ سر، اُمُّ الصّبیان (خاص قسم کے دماغی جھٹکے اور دورے،) خشکی و تری کے سفر میں، جان و مال کی حفاظت، عقل کی تیزی اور قیدیوں کی آزادی کے لیے یہ نام لکھ کر تعویذ کی طرح بازو میں باندھے جائیں۔

(تفسیر جمل، سورہ کہف، تحت الآیۃ: 22)

غار کے بالائی حصے پر چڑھ کر ہم نے ویڈیو گرافی کی اور اس ویڈیو میں ان دونوں طاق نما سوراخوں کی بھی تصویر کشی کی جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت کریمہ کا مصداق یہی طاق ہیں: وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۔ (سورہ کہف،۱۷) اور اے حبیب! تم سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلتا ہے تو ان کے غار کے دائیں جانب مائل ہو کر نکل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا کر گزر جاتا ہے حالاں کہ وہ اس غار کے کھلے حصے میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

ان طاقوں کے اندر جھانک کر دیکھنے پر ان طاقوں کی تہہ نظر آتی ہے جو بہت زیادہ گہری نہیں۔ غار کے منہ کے ٹھیک سامنے اس مسجد کے آثار ہیں جس کا تذکرہ قرآن کریم نے یوں کیا ہے: اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۔ (سورہ کہف،۲۱) جب وہ لوگ ان کے معاملے میں باہم جھگڑنے لگے تو کہنے لگے: ان کے غار پر کوئی عمارت بنادو، ان کا رب انھیں خوب جانتا ہے، جو لوگ اپنے اس کام میں غالب رہے تھے انھوں نے کہا: ہم ضرور ان کے قریب ایک مسجد بنائیں گے۔

جمعہ کا دن جارڈن میں چھٹی کا دن ہوتا ہے لیکن وہاں کی چھٹی ہمارے یہاں کے سنڈے کی طرح نہیں ہوتی بلکہ عام طور پر ہر چیز کی چھٹی ہوتی ہے اور لگ بھگ جمعہ تک کوئی چہل پہل نظر نہیں آتی، جب جمعہ کا وقت ہوتا ہے، شہر چلنے لگتا ہے۔

اس غار کے شاہی کلید بردار شیخ کی ابھی آمد نہیں ہوئی تھی لیکن شاید ہم لوگوں کی آمد کے ساتھ ہی چوکیدار نے انھیں اطلاع کر دی تھی، اس لیے تقریبا 20 منٹ کے انتظار کے بعد وہ تشریف لے آئے۔ ان کی آمد سے پہلے ہم غار کے دہانے پر اپنی دعا کر چکے تھے اور اس تصور سے کانپ رہے تھے، یہ وہی غار ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے: لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ

لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۔ (سورہ کہف، 18) اگر تم انھیں جھانک کر دیکھ لو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاؤ اور ان کی ہیبت سے بھر جاؤ۔

لیکن غار کا دروازہ کھلنے پر بلا دریغ ہر چہار جانب گھومنے پھرنے کے بعد یہ محسوس کر کے حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اندر نہ کوئی رعب و داب ہے، نہ کسی جگہ مزار یا آرام گاہ جیسا کوئی خاص مقام، بلکہ بالشت بھر کے ایک شیشے کی اوٹ سے ہمیں چند ہڈیاں دکھائی گئیں اور شیخ نے بتایا کہ یہ اصحاب کہف کی ہڈیا ہیں جو کسی کھدائی میں دریافت ہوئیں اور انھیں یکجا کر دیا گیا۔

ان ہڈیوں کا مکان بھی کوئی بڑا مکان نہ تھا، بمشکل تمام ایک متوسط طاق برابر جگہ رہی ہوگی جس کے اندر مزید گہرائی کے لیے اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اپنی حیرت دور کرنے کے لیے جب ہم نے شیخ سے یہ دریافت کیا: قرآن کریم نے جس کے متعلق یہ کہا ہے: لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۔ (سورہ کہف، 18) اگر تم انھیں جھانک کر دیکھ لو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاؤ اور ان کی ہیبت سے بھر جاؤ۔ وہ رعب دار جگہ کہاں ہے؟ انھوں نے بڑے ہلکے انداز میں بتایا: یہی دروازہ جس کے اندر ہم داخل ہوئے ہیں۔

اب یہ فلسفہ ہمارے لیے سمجھنے کا ہے کہ اس آیت کا مصداق کون سی جگہ ہے؟ اور آیت میں رعب سے مراد کیا ہے؟ کیوں کہ ہم نے جو کچھ دیکھا اس میں کہیں سے کہیں تک فرار تو دور رعب کا بھی گزر نہیں اور ہم نے اس پورے احاطے کا ہر وہ حصہ دیکھا، جو دیکھا جا سکتا ہے یعنی کوئی گوشہ چھوڑا نہیں۔

عدم رعب کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہاں شیخ کی مستقل نشست گاہ ہے جس میں بارہا وہ تنہا ہوتے ہیں، کیوں کہ یہاں کے لوگ عام طور پر مزارات وغیرہ پر حاضری نہیں دیا کرتے، تقریبا مزارات کے ساتھ یہی سلوک ہے۔ اب بہر حال یہ بات قابل فہم ہے کہ ایک سنسان جگہ پر اکیلے آدمی کا مستقل بیٹھنا اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہاں کسی بھی قسم کا کوئی خوف نہ ہو جبکہ قرآن پاک نے صرف رعب کی نہیں بلکہ اس کے ساتھ فرار کی بھی بات کی ہے۔

ہمارے دونوں رفقا کے لیے میری تفہیم کے باوجود یہ فلسفہ ناقابل فہم رہا کہ اصحاب کہف کی ہڈیاں کیسے ہو سکتی ہیں اور اولیا اللہ مر کیسے سکتے ہیں؟

غار کا رخ مغرب کی جانب ہے اور غار کے شمال مشرق میں نئے رنگ و آہنگ کی ایک دیدہ زیب مسجد ہے جسے بادشاہ وقت نے بنوایا ہے۔

آج جمعہ کا دن ہے اور حدیث پاک میں جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کرنے کی یہ فضیلت وارد ہے: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کرے گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے خاص نور کی روشنی رہے گی۔

(مستدرک، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الکھف، فضیلۃ قراءۃ سورۃ الکھف یوم الجمعۃ، حدیث نمبر: 3444)

دوسری حدیث میں ہے: جو سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات یاد کرے گا، وہ دجال (کے فتنے) سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی، حدیث نمبر: 257)

زیارت سے فراغت کے ساتھ ہی دل کے نہاں خانے میں تشکر کے جذبات تھے: فقیر کی خوش قسمتی ہے کہ درج بالا حدیث فقیر کا معمول ہے اور اس کی برکتیں بھی خوب محسوس کی ہیں لیکن آج اللہ تعالی کا خصوصی کرم ہے کہ تلاوت اس شہر میں ہوئی جس میں یہ اصحاب آرام فرما ہیں اور تلاوت کے معا بعد ہی ان بارگاہوں میں حاضری کا بھی شرف حاصل ہوا۔ جبکہ عمان پہنچنے سے پہلے یہ خبر بھی نہ تھی، اصحاب کہف یہاں جلوہ فگن ہیں، اس لیے یہ حاضری بالکل غیر متوقع تھی اور اسی وجہ سے خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔

"شارع اصحاب الکھف" سے گاڑی آگے بڑھی اور پہاڑوں اور نشیبی جگہوں کے بیچ سے ہوتے ہوا تے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ سفر کر کے ایک مقام پر پہنچے جسے "کرک" کہا جاتا ہے۔ اس مقام کو ماضی قریب کے جھروکوں سے دیکھیں تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسی شہر کے قلعہ سے مسجد اقصی کی

آزادی کی فائنل لڑائی لڑی اور یہاں سے ڈائرکٹ جاکر مسجد اقصی پر قبضہ جمایا۔ یہ بات ہمیں شعیب نے کرک قلعہ کے پاس سے گزرتے ہوئے بتائی۔

جبکہ کچھ اور پیچھے چلے جائیں تو کرک وہی مقام ہے جسے تاریخ جنگ موتہ کے حوالے سے جانتی ہے۔ آج موتہ اسی شہر کے کسی حصے کا نام ہے۔ جنگ موتہ میں کئی عظیم صحابہ کرام کی شہادتیں ہوئیں اور چند صحابہ رسول یہاں مدفون بھی ہوئے۔

یہاں دفن ہونے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار بن ابی طالب، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ہیں۔ اول الذکر دونوں کے مزارات یکے بعد دیگرے الگ الگ متّصل عمارتوں میں ہیں جبکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کی تربت اقدس شہر کے اندر کسی حصے میں ہے۔ اس مبہم معلومات کی بنیادی وجہ ہمارے شعیب میاں ہیں جنھیں خود بہت زیادہ تفصیلات نہیں معلوم اور نہ ان کا مادہ فہم و تفہیم تجربہ کار۔

جب ہم پہنچے مزار کے سامنے والی مسجد میں خطیب جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور مزار مقفل تھا۔ ہم نے بھی مشکوک مالکی المسلک امام کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی اور پھر احتیاطا دو رکعت ظہر بھی ادا کی۔ یہاں نماز سمیت مذہبیات میں ادب سے زیادہ عربی کلچر نظر آتا ہے۔ ننگے سر نماز پڑھنا عام ہے۔ آگے والی صف میں جگہ خالی ہونے کی صورت میں نیت باندھے ہوئے آگے بڑھ جانا عادت ہے۔ بنا خفین کے بھی وضو میں پاؤں نہ دھلنا، بہر حال خلاف شرع ہے جبکہ بنا کسی ظاہری عدالت کے ہر کسی کا نماز کی امامت کے لیے آگے بڑھ جانا اور قرآن پاک کو پاؤں پھیلا کر ہی نہیں، پاؤں پر رکھ کر پڑھنا بھی نوٹ کیا گیا۔

نماز جمعہ سے فراغت کے ساتھ ہی ایک بزرگ کھڑے ہوئے اور نمازیوں کو مخاطب کرتے ہوئے احتجاج شروع کر دیا، یہ احتجاج پٹرول کے تعلق سے تھا۔ ہم نے دیکھا کہ مسجد سے شروع ہونے والا یہ احتجاج کچھ دیر بعد بلند بانگ نعروں کے ساتھ روڑ پر پہنچ کر ایک سمت چلتا چلا جا رہا تھا۔

اب چوں کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کا دروازہ کھل چکا تھا، ہم نے حاضری دی اور دلی طور پر وہ طمانیت حاصل کی جو کسی عظیم ترین ہستی کے مزار ہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالی عنہ مولائے کائنات علی مرتضی رضی اللہ تعالی کے سگے بھائی اور رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ ابتداء ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپ کے ہاتھوں پر ہی اسلام قبول کیا تھا۔ نجاشی کے دربار میں آپ نے اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک تاریخی خطبہ دیا جس نے دربار میں کفار کو ذلیل اور مسلمانوں کا عزیز بنا دیا تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے رسول اللہ ﷺ جنگ خیبر فتح کر کے تشریف لائے تھے، آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ کی پیشانی کو بوسہ دے کر یہ تاریخی جملے ارشاد فرمائے:

عن جابر رضی الله عنه قال: لما قدم رسول الله من خيبر قدم جعفر رضی الله عنه من الحبشة تلقاه رسول الله صلى الله عليه و سلم فقبل جبهته ثم قال: و الله ما أدری بأيهما أنا أفرح بفتح خيبر أم بقدوم جعفر۔ (المستدرك على الصحيحين)

اللہ کی قسم! یہ نہیں سمجھ میں آ رہا ہے کہ میں فتح خیبر کی زیادہ خوشی مناؤں یا جعفر کے آنے کی۔

آپ بڑے خطیب اور بڑے بہادر تھے۔ کثرت سخاوت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے "ابو المساکین" کا خطاب دیا اور فرمایا: اشبهت خلقی و خلقی۔ یعنی جعفر تم صورت اور سیرت دونوں میں مجھ سے مماثلت رکھتے ہو۔ جنگ موت میں شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کے صاحب زادوں کو طلب فرمایا اور بارگاہ الٰہی میں ان کے لیے دعا کی۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو طیار یعنی اڑنے والا اس لیے کہا جاتا ہے کہ جنگ موتہ میں آپ کے دونوں بازو کٹ گئے تھے جن کے عوض اللہ تعالی نے جنت میں آپ کو دو باز و عطا فرمائے جن سے آپ فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔

چوں کہ یہ مقام بھی مقام موتہ ہے اور درج بالا تینوں صحابہ بھی وہ ہیں جو اس جنگ میں شہید ہوئے، اس لیے مناسب ہے کہ یہاں اس تاریخی جنگ کا ایک اجمالی تعارف ہو، ویکی پیڈیا میں اس جنگ کے متعلق لکھا ہے:

یہ جنگ جمادی الاول 8ھ (ستمبر 629ء) میں جنوب مغربی اردن میں موتہ کے مقام پر ہوئی جو دریائے اردن اور اردن کے شہر کرک کے درمیان میں ہے۔ اس میں حضور ﷺ شریک نہیں تھے اس لیے اسے غزوہ نہیں کہتے۔ یہ بازنطینی (مشرقی رومی) افواج اور مسلمانوں کے درمیان میں ہوئی۔

حضور ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کے لیے کچھ سفیر اردن اور شام کے عرب قبائل کی طرف روانہ کیے جنھیں ان قبائل نے سفارتی روایات کے برخلاف قتل کر دیا۔ یہ عرب قبائل بازنطینی سلطنت (مشرقی روم کی سلطنت) کے باج گزار تھے۔ سفیروں کے قتل کے بعد ان قبائل کی سرکوبی کے لیے حضور ﷺ نے 3000 کی ایک فوج تیار کر کے روانہ کی اور سپہ سالاروں کی ترتیب یہ رکھی کہ زید بن حارثہ کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا، ان کی شہادت کی صورت میں جعفر طیار کو مقرر کیا اور ان کی شہادت کی صورت میں عبداللہ بن رواحہ کو مقرر کیا۔ اور یہ کہ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو لشکر اپنا امیر خود چن لے۔

دوسری طرف سے ہرقل کی قیادت میں ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ عرب قبائل پر مشتمل فوج بھی تیار ہوئی جو مروجہ ہتھیاروں سے لیس تھی۔ جب مسلمان موتہ پہنچے اور دشمنوں کی تعداد کا پتہ چلا تو انھوں نے پہلے سوچا کہ مدینہ سے مزید کمک آنے کا انتظار کیا جائے مگر عبداللہ بن رواحہ نے اسلامی فوج کی ہمت افزائی کی اور اسلامی فوج نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جنگ کی۔

جنگ شروع ہوئی تو زید بن حارثہ نے شجاعت کے ساتھ جنگ کی۔ رومی افواج تجربہ کار تھیں۔ انھوں نے زید بن حارثہ کو نیزوں کی مدد سے زمین پر گرا کر شہید کر دیا تو جعفر طیار نے علم سنبھال کر اسلامی افوج کی قیادت کی مگر جب وہ گھیرے میں آ گئے اور محسوس کر لیا کہ اب شہادت قسمت میں لکھی ہے تو اپنا گھوڑا فارغ کر دیا اور پیدل نہایت خوں ریز جنگ کی اور 80 زخم کھائے۔ اس دوران میں ان

کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور وہ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے علم سنبھالا اور رومی افواج کے مرکز میں زبردست حملہ کیا۔ شدید لڑائی میں وہ بھی شہید ہو گئے۔

جب یہ تینوں نام زد قائد شہید ہو گئے تو اسلامی فوج نے خالد بن ولید کو اپنا امیر چنا۔ خالد بن ولید حال ہی میں اسلام لائے تھے اور اعلیٰ درجہ کے سپاہی اور جنگجو تھے۔ انھوں نے بھانپ لیا تھا کہ مسلمانوں کے جنگ جیتنے کے امکانات بہت کم ہیں۔ اسی اثنا میں رات ہو گئی۔ انھوں نے اپنی افواج کو پیچھے ہٹا لیا اور ایک زبردست جنگی حربہ اختیار کیا۔ بے شمار سپاہیوں کو پہاڑ کی اوٹ میں بھیج دیا اور ان سے کہا: اگلی صبح نئے جھنڈوں کے ساتھ گرد و غبار اڑاتے ہوئے پیچھے سے اسلامی فوج میں شامل ہو جائیں۔ اس تدبیر سے رومی سمجھے کہ مدینہ سے مسلمانوں کے لیے نئی امداد آگئی ہے۔ رومیوں نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور جنگ رک گئی۔ اس طرح دونوں افواج واپس چلی گئیں اور مسلمانوں کو دو لاکھ کی رومی فوج سے بچا کر مدینہ واپس لایا گیا۔ جنگ کو کسی کی فتح یا شکست نہیں کہا جا سکتا۔ مگر نتائج مسلمانوں کے حق میں نکلے۔ اول تو لوگوں نے پہلی دفعہ دیکھا کہ رومیوں کے اتنے بڑے لشکر کو کسی نے للکارا ہو اور بچ کر نکل گیا ہو۔ لوگوں کے ذہن سے رومیوں کی دہشت کسی قدر کم ہو گئی۔ دوم یہ کہ بلاد شام و اردن کے لوگوں کو مسلمانوں اور ان کی زبردست طاقت کا تعارف ہو گیا کیوں کہ یہ پہلی اسلامی فوج تھی جو مدینہ سے اس قدر باہر جا کر لڑی۔ اس علاقے کے لوگوں کے لیے مسلمانوں کا جذبہ شہادت ایک بالکل نئی چیز تھی۔ ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو کمزور سمجھنا شروع کر کے ایسے اقدام کیے جو صلح حدیبیہ کے خلاف تھے۔ اس سے صلح حدیبیہ مشرکین کی طرف سے ٹوٹ گیا اور مسلمانوں نے اس کے بعد مکہ کو فتح کر لیا۔ (ملخصا: ویکی پیڈیا)

جمعہ کی وجہ سے حضرت زید بن حارثہ کا مزار مبارک مقفل تھا اور محیط شیشہ بھی ایسا گہرا کہ کوشش کے باوجود اندر کا کوئی حصہ نظر نہ آسکا۔ یہ وہی خوش نصیب صحابی ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ کا متبنیٰ ہونے کا شرف حاصل ہے اور صحابہ کی جماعت میں یہی تنہا وہ ہیں جن کا نام نامی قرآن پاک کی سورہ احزاب کی آیت نمبر 37 میں ذکر ہوا ہے۔

وقت گزرتا جارہا تھا اور ہمیں افطاری عمان میں یتیم بچوں کے ساتھ کرنی تھی، اس لیے شعیب میاں نے دو آپشن سامنے رکھے: آپ لوگ چاہیں تو خاصی مسافت پر واقع حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے مزار پر حاضری دے لیں اور چاہیں تو شہر کے اندر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار پر حاضری دے لیں، ظاہر ہے اس موقع پر عقل مندی امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالی عنہ کی بارگاہ چننا تھا۔ لیکن جب جب خیال آئے گا، اس بات کا قلق رہے گا کہ اس قدر قریب پہنچ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ کی قدم بوسی کا شرف نہ مل سکا۔

اب ہم حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار پر حاضری کے لیے جارہے ہیں۔ سرپٹ دوڑتی گاڑی ہمیں اس راستے پر لے آئی جو راستہ کئی کلومیٹر تک عربی کے "البحرالمیت" اردو اور فارسی کے "بحیرہ مردار" اور انگریزی کے (DeadSea) سے متّصل ہو کر گزرتا ہے۔ ہماری سمت سفر سے بائیں طرف دور دور تک پانی کا یہ دریا ہے جسے عبور کرتے ہی نگاہوں کو فلسطین کے درخت نظر آتے ہیں۔ اب ہمارے سامنے دو متضاد چیزیں تھیں:

(1) دور سے نظر آتے اس زمین قدس کے پہاڑ اور درخت جن کی تقدس مآبی اور مظلومیت کی وجہ سے ہمارے مخلصانہ جذبات اس زمین کا بوسہ لینا چاہتے تھے لیکن ایسا ممکن نہ ہو پانے کی وجہ سے دور سے ہی ہزار حسرتوں کے ساتھ اپنی آنکھوں کو نم کیے زیارت کر رہے تھے۔

(2) بالکل پاؤں کی سمت کوئی 20 ہاتھ گہرائی میں واقع بالکل منجمد وہ خبیث دریا جس میں نہ خود زندگی ہے اور نہ دوسروں کے لیے زندگی کے آثار۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بحر میت دنیا کے نقشے پر تنہا ایسا مغضوب دریا ہے جس میں کسی جان دار کا رہنا ممکن نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی درخت پایا جاتا ہے کیوں کہ 30 فیصد شوریدگی کے ساتھ یہ سمندر سے 8 اعشاریہ 6 گنا زیادہ نمکین ہے۔ یہ پوری روئے زمین کا سب سے نچلا مقام ہے، جو 420 میٹر نیچے واقع ہے جبکہ یہی دنیا کی سب سے بڑی نمکین جھیل بھی ہے اور سب سے گہری بھی، جس کی گہرائی 330 میٹر ہے۔ یہ ریکارڈ بھی اس کے نام ہے کہ جبوتی کی

جھیل اسال کے بعد دنیا کا نمکین ترین ذخیرۂ آب یہی ہے۔اس بحیرہ مردار کی لمبائی 67 کلومیٹر اور چوڑائی زیادہ سے زیادہ 18 کلومیٹر ہے۔

یہ اردن اور اسرائیل کے ٹھیک بیچ میں واقع ہے لیکن اسرائیل کی داداگیری کی وجہ سے اردن کو اس سے نمک سازی کی اجازت نہیں ۔ جبکہ اردنی مسلمانوں کو اس میں بہت زیادہ دل چسپی بھی نہیں کیوں کہ یہ جائے عذاب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جائے عذاب سے جلد گزر جانے کا حکم فرمایا ہے، اس سے انتفاع کا مسلمان تصور بھی نہیں کرتا۔ یہ بات ہمیں شعیب نے بھی کہی کہ ہم ایسی زمین سے جلد گزرنا چاہتے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں اس بحرمیت کی حیثیت جائے عذاب کی اس طور پر ہے کہ قوم لوط کی بستیاں اسی جگہ تھیں، جنھیں ان کی بدفعلی کی وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے بازوؤں پر اٹھا کر پلٹ دیا تھا، اللہ تعالی نے اسی مغضوب زمین پر یہ دریا جاری فرمایا جس کی نمکینی اور تباہی کی وجہ دنیا کی نظر میں چاہے جو ہو، ایک مسلمان کا یہی ماننا ہے یہ سب قہر خداوندی کی وجہ سے ہے۔

یہ بھی حسن اتفاق ہے آج اس بحیرہ مردار سے اسرائیل انتفاع چاہتا ہے گویا مغضوب زمین پر جاری مغضوب دریا کے مغضوب پانی سے وہی قوم انتفاع کر پائے گی جو مغضوب ہے اور ظاہر ہے اسرائیل کے یہودیوں سے زیادہ روئے زمین پر کون مغضوب ہو سکتا ہے۔

چلتے چلتے تھکاوٹ کی وجہ سے آنکھ لگ گئی اور جب آنکھ کھلی "دیر علا" نامی گاؤں میں مسجد ابو عبیدہ کے سامنے گاڑی کھڑی تھی۔ وضو کر کے پہلے مزار مبارک پر حاضری دی اور پھر نماز۔ حسب ماحول مزار مبارک شیشے کی دیواروں میں محصور ہے اور سرہانے اردنی پتھر پر نقش ہے: قال رسول اللہ ﷺ لکل امۃ امین و امین ھذہ الامۃ ابو عبیدۃ عامر بن الجراح۔ اسی سے متّصل نیچے حضرت والا کا نام، احد العشرۃ المبشرۃ بالجنۃ اور سن وفات 18 ہجری مرقوم ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ ان دس خوش نصیبوں میں سے ہیں جنھیں جیتے جی رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ قریش کی شاخ قبیلہ فہر سے متعلق تھے۔ اصل نام عامر بن عبد

اللہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے وقت عمر 40 سال تھی۔ بالکل ابتدائی زمانے میں مشرف باسلام ہوئے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی لیکن مکی دور ہی میں واپس لوٹ آئے۔ نبی ﷺ سے چند روز قبل مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حضور ﷺ کی آمد تک قبا میں قیام کیا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ بے حد ذہین، سلیم الطبع، متقی اور بہادر تھے۔ اپنے زمانے کی سب سے بڑی عالمی طاقت روم کے خلاف ٹکر لی اور اسے ایشائی علاقوں سے پیچھے دھکیل دیا۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور عشق رسول اور اطاعت الٰہی کا حق ادا کر دیا۔ غزوہ بدر میں اپنے باپ عبداللہ بن الجراح کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

غزوہ احد کی افراتفری میں ثابت قدم رہنے والے صحابہ میں سے تھے اور جب ایک کافر کے وار سے حضور ﷺ کی آہنی خود کی کڑیاں آپ کے رخسار میں دھنس گئیں تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نہایت تیزی سے آگے بڑھے اور اپنے دانتوں سے ان کڑیوں کو باہر نکالا اور اس آپریشن میں خود آپ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنی عظمت کردار، زہد و تقوی اور صلاحیتوں کی وجہ سے اہل مدینہ میں بہت اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اسی وجہ سے آپ ان تین افراد میں سے تھے جنھوں نے سقیفہ بنو ساعدہ میں انتشار کی لہروں کو روکا اور آپ کی تجویز و تائید سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ بنے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو آپ پر اس حد تک اعتماد تھا کہ ابو لؤلؤ فیروز کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد جب انھیں خلیفہ کی تلاش تھی تو آپ نے فرمایا: اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو انھیں خلیفہ بناتا کیوں کہ حضور ﷺ نے انہیں امین الامۃ قرار دیا تھا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ جنگ یرموک کے فاتح ہیں جس نے ہرقل شاہ روم کو شام چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بیت المقدس کے فاتح بھی آپ ہی ہیں۔ آپ نے بیت المقدس میں پہلی نماز وہاں پڑھی جہاں آج مسجد اقصیٰ ہے۔ فتح شام کے بعد شام کے پہلے گورنر آپ تھے۔ آپ جرنیل بھی تھے۔ اچھے منتظم بھی اور دین اسلام کے مبلغ بھی۔

امین الامۃ کی زندگی کا آخری معرکہ حمص کی وہ خوں ریز جنگ ہے جس میں ہرقل نے شام واپس پلٹنے کی آخری کوشش کی لیکن ناکام ہوا اور اس کے بعد اس نے کبھی شام کا رخ نہ کیا۔

18ھ میں مسلمانوں کے لشکر میں طاعون کی وبا پھوٹ نکلی جسے عمواس کا طاعون کہا جاتا ہے۔ اس موذی وبا نے بہت سے مسلمانوں کی جان لی ان میں سے ایک آپ رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے اور اس طرح اٹھاون برس کی عمر میں اپنے رب سے جا ملے۔ (ملخصا: ویکی پیڈیا)

دیر علا سے قریب ایک اور صحابی رسول حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ تعالی عنہ کا مقبرہ ہے لیکن افسوس کہ ہمارے پاس وقت کی تنگی تھی اور اس سے بھی زیادہ ہمارے شعیب میاں کو عمان واپسی کی جلدی۔

شیڈول کے مطابق عمان کے "حدیقۃ ابی عامر" نامی پارک میں یتیم بچوں کے ساتھ افطار کا پروگرام تھا۔ ان یتیموں میں بڑی تعداد فلسطین اور شام کے یتیموں کی تھی، کچھ بچے جارڈن کے بھی تھے۔ اوسطا پندرہ سال سے کم عمر کے بچے تھے۔ کچھ بچے بڑے تیز تھے لیکن کچھ بچوں کے چہروں سے دور سے بے چارگی ہویدا تھی۔ تھوڑے وقت میں جن جن بچوں سے گفتگو کا موقع مل سکا، حالات جاننے کی کوشش کی۔ زیادہ تر عربی سمجھتے تھے، کچھ انگلش بھی بول لیتے تھے۔ وہ بے چارے چہرے اب بھی آنکھوں میں نقش ہیں اور یاد آنے کے ساتھ ہی دل کی کیفیت بدل دیتے ہیں۔ یہ بچے الگ الگ جگہوں پر موجود مہاجرین کے خیموں سے جمع کیے گئے ہیں اور اب ان کے لیے اسلامک ہیلپ نے تعلیم کا بھی انتظام کیا ہے۔ اسلامک ہیلپ کے علاوہ بھی کچھ تنظیمیں یہ کام کر رہی ہیں، اللہ رب العزت قبول فرمائے۔ خیال رہے یہ یتیم، صرف یتیم نہیں، بے گناہ مظلوم بھی ہیں۔

اس بات پر احساس محرومی رہے گا کہ ایک فلسطینی بچے نے اپنے خیمے میں آنے کی دعوت دی لیکن ان کا یہ دوست اس کی اتنی بھی خواہش پوری نہ کر سکا۔ ویسے چلا بھی جاتا تو اس بے چارے کا کون سا مکان تھا جس میں وہ ضیافت کرتا، دور سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے آخر اس کے خیمے میں جگہ بھی اتنی رہی ہوگی جتنی جگہ میں وہ اور اس کی بیوہ ماں سما سکیں۔

آج کا دن بڑا مصروف رہا لیکن بہت مبارک بھی۔ چلیے اب آرام کرتے ہیں، کل ان شاء اللہ تعالی اس سفر کے سب سے بڑے آستانے پر حاضر ہو کر دعا کریں گے اور پھر ان خیموں کا بھی سفر کریں گے جن کے لیے یہاں آنا ہوا ہے۔

2/جون, سنیچر:۔ آج کی سحری ہم نے ہوٹل میں کی۔ سحری کیا تھی، کوئی جھمیلے دار شادی کی ڈشیز تھیں۔ کیا لیں اور کیا چھوڑیں، ہم عجمیوں کے لیے انتخاب مشکل تھا۔ ایرانی پکوانوں کی طرح غیر مرغن غذائیں دکھنے میں بھلے کیسی ہی کیوں نہ لگیں، کھانے میں تھوڑی دیر کے لیے انڈیا کا ذائقہ بھلا دیتی ہیں۔ کہیں سے کہیں تک احساس نہیں ہوتا، ہماری مرچ اور ہمارا مسالہ ہم سے دور ہے۔ سحری کے دسترخوان پر احساس ہوا: جس ہوٹل میں ہم قیام پذیر ہیں، بہت وی آئی پی ہے اور بہت بڑا بھی۔

دس بجے ہمیں وادی ایکہ جانا تھا جس کا قرآن کریم میں 4 مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ عمان شہر سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر واقع ایک پہاڑی سلسلے کے دامن میں جا کر ہماری گاڑی رکی اور ہمارے ڈرائیور شعیب میاں نے ہمیں 10 منٹ کا ٹائم دیا، کیوں کہ انھیں واپس ہو کر جاب پر جانا تھا۔

پہاڑوں کی کھوہ میں پختہ عمارتوں کے درمیان یہ جگہ اللہ رب العزت کے جلیل الشان نبی، خطیب الانبیا حضرت سیدنا شعیب علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کی آخری آرام گاہ ہے۔ پہلی بار اپنے آپ کو ایک نبی کے قدموں میں پا کر جو روحانی لذت ملی، اس کا لطف بیان سے باہر ہے۔ حاضری بھی ایسی پر سکون کہ ہمارے تین نفری قافلے اور خادم بارگاہ کے علاوہ کوئی پانچواں پرندہ بھی نہ تھا۔ دربار میں داخل ہوتے ہی خادم نے سب سے پہلا سوال کیا: کیا آپ پاکستان سے ہیں؟ لہجہ ایسا تھا جیسے پاکستانیوں کی آمد ممنوع ہو۔ فاتحہ سے فراغت کے بعد جب فقیر نے اس سوال کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: یہاں کسی کا آنا منع نہیں، بلکہ پاکستانی بکثرت آتے ہیں، اس لیے دریافت کر لیا۔

خادم نے اپنا عرصہ خدمت شمار کراتے ہوئے قرآن پاک کی آیتیں تلاوت کر کر کے بتایا: یہ وادی، وادی ایکۃ ہے جس کا قرآن کریم میں یوں یوں تذکرہ آیا ہے۔ انھوں نے اجمیر معلی کی خدام کی

طرح ہمیں بٹھا کر ہمارے لیے اجتماعی دعا بھی کی۔ یہ طرز اس سفر کا پہلا تجربہ تھا۔ لیکن رخصت ہوتے ہوتے ان کی ایک بات نے کبیدہ خاطر کر دیا، وہ کہنے لگے: اس وادی میں بکثرت فقیر رہتے ہیں، جن کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے، آپ چاہیں تو ان کی مدد کے لیے صدقہ دے دیں۔ میں نے سمجھتے ہوئے بھی حیرت سے دوبارہ دریافت کیا: انھوں نے دوبارہ جوں کے توں آہستگی کے ساتھ الفاظ دوہرائے اور میں نے 10 جے ڈی یعنی جارڈن دینار (900 انڈین روپئے) نکال کر ان کے ہاتھ میں رکھے اور ساتھ ہی ہمارے ڈاکٹر اویس حسن صاحب کی یہ خواہش پیش کی: ہمیں اس آستانہ عالیہ کا کوئی تبرک مل سکتا ہے؟

وہ جانے کہاں گئے، کچھ دیر بعد لوٹے، ہاتھ میں کچھ نہ تھا، ہمیں تربت اطہر کے سرہانے جمع کیا اور مزار مبارک کی چادر کے نیچے ہاتھ ڈال کر تین ہری چادر کے ٹکڑے نکال کر ہمارے ہاتھوں میں تھما دیے۔ یہ ہمارے لیے سعادت بالائے سعادت ہے۔

یہ وادی حضرت شعیب علیہ السلام کی جائے پیدائش بھی ہے اور باختلاف روایات جائے تبلیغ بھی ۔قرآن پاک میں چاروں مرتبہ اس کا تذکرہ غضب ناک لہجے میں فرمایا گیا ہے۔کیوں کہ دراصل یہاں کے رہنے والے جہاں اعتقاداً کفر و شرک میں مبتلا تھے وہیں عملاً ناپ تول میں کمی کرنے کے بھی عادی تھے۔

اللہ تعالی نے ان گم گشتگان راہ کی ہدایت کے لیے انھی کے ہم قوم حضرت شعیب علیہ السلام کو چنا اور آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا اور اس کے انجام بد سے بھی آگاہ کیا لیکن قوم نے پیغمبر کی ایک نہ مانی اور نہ صرف اپنے انکار اور سرکشی پر قائم رہی بلکہ پیغمبر کی شان میں گستاخیاں اور بے باکیاں بھی کیں جن کے نتیجے میں اللہ تعالی نے پوری قوم کو ایک سخت عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا، یہ عذاب سخت زلزلہ اور آگ کی شکل میں نازل ہوا۔

قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کا 11 مرتبہ نام ذکر کیا گیا اور تین جگہ آپ کی قوم کا واقعہ ذکر ہوا۔ آپ کے تذکروں کے دوران آپ کا طرز تبلیغ، قوم کی حجت بازی اور آخر کار قوم کی ہلاکت کا

بیان ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر بھی ہیں اور آپ علیہما السلام کے اس پاکیزہ رشتے کا پورا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے والد کا نام میکائیل بن یشجر بن مدین ہے۔ اور مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے بتائے جاتے ہیں۔ وادی مدین انھیں سے منسوب ہے۔ اس وادی کو وادی ایکہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ ایکہ ایک درخت کا نام ہے اور مدین کے لوگ اس درخت کی پوجا کرتے تھے۔ اس طرح اصحاب الایکہ مذہبی اور مدین نسبی نسبت ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب شعیب علیہ السلام کا ذکر کرتے تو فرماتے: وہ خطیب الانبیا تھے اس لیے کہ اپنی قوم سے خطاب اچھے اسلوب سے کرتے تھے۔ و كان رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم إذا ذكره قال: ذاك خطيب الأنبياء لمراجعته قومه۔

(المستدرک للحاکم، کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء والمرسلین، ذکر شعیب النبی ﷺ)

حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو گئے تھے اور بڑی لمبی عمر پائی تھی۔ آپ علیہ السلام کی زندگی کے مزید حالات اور خاص طور سے طرز تبلیغ جاننے کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیات کریمہ کا تفصیلی اور تفسیری مطالعہ ضرور کرنا چاہیے:

((1))وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (22) وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ (23) فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (24) فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (25) قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (26) قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ

عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ (27) قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ (28)۔ (سورہ قصص، آیت نمبر:22۔28)

((2)) وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (85) وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (86) وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (87) قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ (88) قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (89) وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ (90) فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ (91) الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ (92) فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَى عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ (93)۔ (سورہ اعراف، آیت نمبر: 85۔93)

((3))وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ (84) وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (85) بَقِيَّةُ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ
(86) قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا
نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ (87) قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي
وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا
الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (88) وَيَا قَوْمِ لَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا
قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ (89) وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ
(90) قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ
لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ (91) قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ
وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (92) وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ
سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ (93)
وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ (94) كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا أَلَا بُعْدًا لِمَدْيَنَ كَمَا
بَعِدَتْ ثَمُودُ (95) ۔ (سورہ ھود، آیت نمبر: 84۔95)

((4)) كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ (176) إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ
(177) إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (178) فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (179) وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (180) أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ
(181) وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (182) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي
الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (183) وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ (184) قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ
مِنَ الْمُسَحَّرِينَ (185) وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ (186) فَأَسْقِطْ
عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (187) قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ

(188) فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (189) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ (190) ۔(سورہ شعرا، آیت نمبر: 176۔ 190)

شعیب میاں کی رفاقت حضرت شعیب علیہ السلام کی زیارت سے عمان واپسی تک تھی۔ اب ان کے والد ڈاکٹر خالد جمعہ کی گاڑی سے اردن اور شام کی سرحد پر پناہ گزیں مظلوم شامیوں کے خیموں تک پہنچنا تھا جن کی مدد کے لیے یہ پورا سفر ہوا۔

ڈاکٹر خالد جمعہ کی ڈرائیورنگ کی بات پیچھے آ چکی ہے۔ کوئی دو گھنٹہ سفر کرنے کے بعد ہم ایسے علاقے میں پہنچے جہاں تاروں کے ذریعہ حد بندی کی گئی تھی۔ یہ دراصل شامی پناہ گزینوں کے لیے اردن کی حد تھی۔ وہ مظلوم اسے عبور کر کے عام اردن میں پہنچنے کے حق دار نہیں۔ مزید کچھ چلنے کے بعد ہم نے کچھ نوجوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کو گاڑیوں سے اتر کر ایک سمت بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ ماحول ذرا دہشت کا ماحول تھا، ان کو بھاگتا ہوا دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں فساد بپا ہو گیا ہو اور یہ اپنی جان بچاتے ہوئے کہیں جا رہے ہوں۔ ڈاکٹر خالد نے ہمیں بتایا: یہ وہ شامی پناہ گزیں ہیں جو ادھر ادھر محنت مزدوری کرتے ہیں اور یہ ابھی اپنے کام سے فارغ ہو کر اپنے خیموں میں واپس ہو رہے ہیں۔ ہم نے سمجھا ہمیں یہیں رکنا ہو گا اور شاید انھی کی مدد کرنی ہو گی لیکن ڈاکٹر خالد کی تیز رفتار گاڑی تھی جو رکنے کا نام نہیں لیتی تھی۔

اب ہم اتنا آگے نکل چکے تھے کہ خیموں کے دھندلے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہم تینوں آپس میں مزاحیہ انداز میں اردو میں چہ می گوئیاں بھی کرنے لگے: جانے چچا اب اس سنسان علاقے میں تین پردیسیوں کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔

کوئی 30 کلومیٹر چلنے کے بعد ہم ایک دیہات میں تھے جہاں ایک عرب بدو ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ نحیف وجود اور زخمی سا چہرہ جس سے دور سے مظلومیت ہویدا تھی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جذبات تشکر کی مسکراہٹ میں اپنا غم چھپا رہا ہے۔ ہمارے چچا نے عمان سے چلتے ہوئے ایک ویل چیئر لے کر اپنی گاڑی کی ڈگی میں رکھ لی تھی، وہ اسی گھر کے لیے تھی۔ ہم بدو کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوئے

جہاں ایک نوجوان پاؤں سے معذور اور ہاتھوں میں پلاسٹر باندھے ایک چارپائی پر بیٹھا ہم سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کر رہا تھا۔

کل صبح اس کا ایگزام ہے، یہ ایگزام فائنل ہے، اگر یہ ویل چیئر نہیں ہوگی تو اس کے لیے ایگزام ہال تک جانا ممکن نہیں ہوگا۔ ہمیں چچا نے متعارف کروایا۔ وہ بدو اسی نوجوان کے باپ تھے جو پچھلے سات سال سے اس مکان میں مکیں تھے۔ چچا نے مزید بتایا: اس نوجوان کی والدہ جنگ میں فوت ہو چکی ہیں، یہ باپ ہے اور ایک بہن ہے۔ میں پچھلے کئی سالوں سے یہاں آتا ہوں اور ان سے رابطے میں رہتا ہوں۔ نوجوان نے ویل چیئر کا تحفہ قبول کیا اور ہم نے معمولی گفتگو کے بعد مسکراہٹ کے ساتھ اس سے وداعی لے لی۔ بدو باپ نے یہیں روزہ افطار کرنے پر کچھ اس طرح اصرار کیا کہ تاریخ میں خواندہ عرب سخاوت کی یاد تازہ ہو گئی لیکن ظاہر ہے فی الوقت رک پانا ہمارے لیے ممکن نہ تھا، ہم واپسی کے لیے رخصت ہوئے اور وہ بدو کافی دیر تک ممنون نگاہوں سے ہمیں تکتا رہا۔

اب ہم ایک ایسے بادیہ میں پہنچ چکے تھے جہاں سطح زمین سے کچھ بلند علاقوں میں دور سے ڈیرے نظر آتے ہیں۔ وہ دیکھیے! ایک چھوٹے کمرے برابر خیموں کی قطاریں ہیں۔ اتنے وسیع جنگل میں اتنے چھوٹے خیمے، ہمارے لیے حیرت کا باعث ضرور تھے لیکن جن بے چاروں کا اس وسیع کائنات میں کوئی ملک ہی نہیں، انھوں نے اگر زندگی کی گنی چنی سانسیں گزارنے کے لیے پانچ ہاتھ کے پردے تان رکھے ہیں تو کیسا تعجب۔

جب ہماری گاڑی اس بادیائی علاقے میں داخل ہو رہی تھی، راستے میں کھڑا ایک ٹرک ہمارا منتظر تھا اور ہماری گاڑی کے آگے بڑھتے ہی اس نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ سامان سے لدا یہ ٹرک در اصل ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی پائی پائی کا پہلا امین تھا۔ ابھی کل اس طرح کے ایک اور ٹرک سے بھی ملاقات ہونی ہے۔ اس ٹرک میں الگ الگ جگہ کے خیموں کی مناسبت سے کئی طرح سے سامان تیار کیا گیا تھا، کچھ 25۔25 کلو کے کٹ تھے، کچھ سامانوں کے الگ الگ پیکٹ تھے اور کچھ منتشر سامان تھا۔

ان بادیائی لوگوں کو گویا ہمارا انتظار تھا یا یوں کہیے کہ اس طرح سے مدد لینے کی عادت تھی ۔ ہماری گاڑی کے رکنے کے ساتھ ہی خاصی بھیڑ امڈ آئی ۔ بوڑھی عورتیں، چہرے پر جھریوں والے بزرگ مرد، بوسیدہ کپڑے پہنے چھوٹے چھوٹے بچے اور اپنے حجابوں سے اپنا منہ چھپاتی دوشیزائیں ۔ قطار در قطار سلسلہ کافی دراز ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود تقریبا ایک فیملی کا ایک ہی ممبر تھا۔ ہر ایک کے پاس ایک خاص قسم کارڈ تھا اور ہماری گاڑی سے ٹھیک متّصل وہ عارضی آفس تھا جو ان کا ریکارڈ رکھتا ہے ۔ ادھر وہ اس آفس کے ذمہ دار کو کارڈ دکھا کر قطار میں کھڑے ہوتے جاتے، ادھر ہم گاڑی سے سامان اتار کر ان کی تعداد کے برابر زمین پر رکھتے جاتے۔ سامان اترنے کی دیر تھی وہ بڑی سنجیدگی اور تہذیب کے ساتھ آگے بڑھے اور ایک ایک کٹ اٹھا کر اپنے اپنے طور لے جانے کا انتظام کرنے لگے، کوئی سائیکل پر لے کر جاتا، کوئی اپنے کندھوں پر ڈھوتا، کچھ لوگ جو کسی دور کے خیمے سے آئے تھے، پک اپ جیسی اپنی اوپن گاڑی لے کر آئے، اس میں اپنا حق رکھنے لگے۔

اس دوران کچھ ضعیف عورتوں کی حالت دیدنی تھی۔ جہاں تک ہم سے ہو سکا ایسی ماؤں کا بوجھ ہم نے اٹھا کر ان کے مطلوبہ ویکل تک پہنچایا۔ اس منظر کی کچھ تصویریں بھی محفوظ ہیں جو بہت وائرل ہوئیں، ممکن ہے دیکھنے والوں کا نظریہ کچھ اور ہو لیکن اب جب بھی ان تصویروں پر نظر پڑتی ہے ایک بے بسی، بے کسی، غریب الوطنی، مظلومیت اور درد کی تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی اس زندگی کی بے وفائی پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک احساس جاگتا ہے: اگر دنیا میں اب بھی نان شبینہ کے محتاج مظلوم رہتے ہیں، ہم زندہ ہیں، اور ان پریشان حالوں کے درد کا مداوا نہیں کر پا رہے ہیں تو ہماری زندگیاں کس مصرف کی؟

ہماری گاڑی مڑی اور کوئی 10 کلومیٹر چلنے کے بعد ہم ایسے خیموں کے درمیان تھے جہاں بچوں کی تعداد نسبتا زیادہ تھی۔ یہاں کوئی انتظامی آفس بھی نہ تھا۔ ہمارے چچا ڈاکٹر خالد انتظامی امور کے ماہر تجربہ کار ہونے کے ساتھ نفسیات کے بھی ماہر ہیں، انھوں نے یہاں سب سے پہلا کام یہ کیا: اپنی جیب سے غبارے نکالے، بچوں کو صف بستہ کھڑا کیا اور پیار کرتے ہوئے ہر بچے کے ہاتھ میں ایک ایک

غبارہ تھما دیا۔ اس کے دو فائدے ہوئے: (1) غبارہ پھولنے کے ساتھ ہی بچوں کی بھیڑ چھٹ گئی اور وہ خوشی خوشی اپنی دنیا میں مگن ہو گئے اور (2) ہمارا کام آسان ہو گیا۔

ادھر ڈاکٹر خالد یہاں موجود مہاجرین کی تعداد کے مطابق کٹ اتروا رہے تھے اور ادھر ہم ایک خیمہ کا جائزہ لینے پہنچ گئے۔ اس خیمے کا ویڈیو موجود ہے، ایک متوسط سائز کمرے میں ایک ایسی فیملی رہتی ہے جس میں آٹھ بچے ہیں۔ یہ ہمارے لیے واقعتا نہایت حیرت کی بات تھی، اتنی چھوٹی جگہ میں اتنی بڑی تعداد کی رہائش کیسے ممکن ہوتی ہے۔ لیکن جب پورے خیمے کا جائزہ لیا تو نہ کوئی طاق الماری ملی اور نہ سامان رکھنے کی کوئی جگہ، جو کچھ تھا سب سامنے پڑا تھا۔ اس خیمے کے کل سامان کی فہرست بنائی جائے تو بڑی سائز کے ایک قرآن پاک، ایک آرو مشین اور گنتی کے چند برتنوں کے علاوہ شاید کوئی قابل ذکر سامان ملے۔ قیاس یہ ہے وہ آرو مشین بھی کسی کی طرف سے گفٹ ہوگی۔ ظاہر ہے اتنے خیمے میں ایسے بوریہ نشیں کیوں نہ سمائیں گے۔ آخر ان کو اس خیمے میں کس چیز کی ضرورت پڑتی ہوگی، ایک بچھونے کی، اور وہ بچھونا بھی کتنی جگہ گھیرتا ہوگا، دو گز۔ اللہ رب العزت ان کے حال زار پر رحم فرمائے۔

ہم خیمے سے ویڈیو گرافی کر کے لوٹے، تب تک سامان تقسیم ہو چکا تھا اور اب ہم آگے کے لیے پابہ رکاب تھے۔

کوئی 8۔10 کلومیٹر چلنے کے بعد لب راہ ایک غریب مسجد میں نماز ظہر ادا کی۔ غریب اس لیے کہ اس مسجد کی بناوٹ بھی کسی مظلوم علاقے کی چغلی کھا رہی تھی۔

نماز کے بعد تقریبا کوئی 40 کلومیٹر چلنا ہوا اور اب ہم ایسے خیموں کے درمیان حاضر تھے جہاں سے سرحد پار ملک شام کے درخت اور پہاڑ ہمیں دعوت نظارہ دے رہے تھے۔ یہ علاقہ قدرے ہرا بھرا تھا۔ یہاں ایک صاحب سے ہماری خاص گفتگو ہوئی جو یہاں کے بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے تھے۔ یہاں خیموں کی بہت بڑی تعداد تھی اور ہمارا پورا ٹرک یہاں خالی ہو جانا تھا۔ یہاں کوئی انتظامیہ کا آفس تو نہ تھا لیکن پھر بھی لوگ بڑے مہذب تھے۔ قطار در قطار کھڑے ہو گئے، پہلے

خواتین نے باری باری اپنا حصہ لیا اور پھر مردوں نے۔ یہاں کٹ کی بجائے ایک ایک چیز الگ الگ تقسیم کی اور چوں کہ تعداد بھی ٹھیک تھی، اس لیے روزہ کا احساس ہونے لگا۔

جہاں تک ہم عمیا عربی سمجھ پائے، اس معلم نے یہاں کے حالات پر کافی روشنی ڈالی۔ اس گفتگو کے نچوڑ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان شامی مہاجرین کی زندگی اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ان کے پلے یا تو ماضی کی تباہ کاریاں ہیں، یا حال کی بدحالی ہے اور یا مستقبل کی تاریکی ہے۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ جن بے چاروں کا کوئی ملک نہ ہو، ان کا اس کائنات میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اس موقع پر اس سفر کی سب سے تکلیف دہ بات کا ذکر کرنا اب ضروری سمجھتا ہوں جس نے جگر پارہ پارہ کر دیا۔

ہمیں خفیہ رپورٹ کے طور پر یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ دولت کے نشے میں مخمور عرب کے دیوث عیاش ان خیموں میں آتے ہیں، یہاں کے مفلوک الحال ماں باپ کی مجبوری کا استحصال کرتے ہوئے چند ریال کے عوض ان کی دوشیزہ بیٹیوں سے نکاح متعہ کرتے ہیں، حفظ ما تقدم کے طور پر ایک کاغذ پر دو دن، تین دن، ایک ہفتہ یا ایک مہینہ نکاح کی رضامندی پر دست خط لے لیتے ہیں اور ان مظلوم عورتوں کے ساتھ نکاح متعہ کے نام پر عیاشی کرتے ہیں، انھیں حاملہ بناتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے ان کی کوکھ بوجھل کر کے چلتے بنتے ہیں۔

جب ہم نے یہ رپورٹ سنی تو دماغ چکرانے لگا، ڈاکٹر خالد جمعہ جو ان مظلوموں پر گہری نظر رکھتے ہیں اور رفاہی کاموں کے ماہر ہیں، ہم نے ان سے اس رپورٹ کی تصدیق چاہی تو انھوں نے نہ صرف اس کی تصدیق کی بلکہ اپنی تمام تر سنجیدگی کے باوجود غضب ناک انداز میں ہمیں یہ اضافی بات بتائی کہ اس میں عرب کے عیاش شیخوں کے ساتھ دوبئی اور مسقط کے دیوث بھی ملوث ہیں۔

حدیث رسول: کاد الفقر ان یکون کفرا۔ (شعب الایمان) کبھی کبھار غریبی کفر کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ پڑھی ضرور تھی، اس پر سمجھ داری والا ایمان بھی تھا لیکن اس کی اتنی بڑی زمینی مثال پہلی بار دیکھی۔

بے غیرت سے کوئی شکوہ نہیں ہو سکتا لیکن افسوس اس بات کا ہے، عیاشی کی یہ رنگینیاں اگر کسی آسودہ حال قبیلے کے ساتھ ہوتیں تو ایک لمحے کے لیے دل کو جھوٹی تسلی بھی دی جا سکتی تھی، لیکن یہاں بات مظلوموں کی مظلومیت کا استحصال اور عصمت دری کرنے کی ہے۔

ہندوستان کے گجرات میں سنگھیوں نے اور برما کے روہنگیاز کے ساتھ وہاں کے ظالم فوجیوں نے جو کچھ کیا، وہ اس دیوثی کے مقابلے اس لیے ہلکا ہو جاتا ہے کہ وہ غیر ہیں، دشمن ہیں، دشمنی میں کر رہے ہیں، لیکن کیا اب ہم مان لیں کہ یہ حرم کے رکھوالے کہلانے والے بھی مسلمان نہیں، غیر ہیں، مسلمانوں بلکہ مظلوم مسلمانوں کے دشمن ہیں اور دشمنی میں یہ سب کچھ کر رہے ہیں؟؟؟

آج کے سفر کی ابتدا ایک عظیم پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کے مرقد انوار کی زیارت سے ہوئی، اس کا اختتام بھی ایک تاریخی زیارت سے ہونا تھا۔

ہمارے چچا اپنی دھن میں مست ڈرائیورنگ کر رہے تھے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ہمارا گزر ایسے علاقوں سے ہو رہا تھا جن میں ہر چہار جانب چھوٹے چھوٹے خوب صورت پتھر ہی پتھر دکھائی پڑتے ہیں۔ راجستھان کے باشندے کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پتھریلے علاقے خوب دیکھے ہیں لیکن ان پتھروں کی خوبی یہ تھی کہ یہ بڑے سلیقہ سے سجائے گئے تھے، ایسا لگتا تھا قدرت نے اس زمین پر پتھروں کی کاشت کی ہے۔ کبھی کبھار راستے میں کوئی گاڑی مل جاتی ہے، ورنہ دور تک نہ کوئی آبادی، نہ کوئی انسانی وجود، نہ کوئی درخت، نہ ہریالی نام کی کوئی چیز، تا حد نگاہ پتھر ہیں اور صرف پتھر ہیں۔

چلتے چلتے چچا نے پختہ روڑ سے کٹ کر ایک پگ ڈنڈی قسم کے غیر مرتب راستے پر گاڑی ڈال دی۔ اٹھا پٹخ کے ساتھ کوئی آدھا کلومیٹر چلے ہوں گے ایک چار دیواری نظر آئی، اس کے ایک کونے سے باہر کوئی عمارت زیر تعمیر ہے جس کے بارے میں بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ پولیس چوکی بن رہی ہے اور چار دیواری کے گیٹ پر ایک بدو گیٹ کیپر کی حیثیت سے بیٹھا ہے۔ چار دیواری کے شمالی مغربی کونے پر ایک نہایت ہرا بھرا درخت اپنی پوری توانائی کے ساتھ کھڑا ہے۔ تنے اور شاخیں بتاتی ہیں درخت بوڑھا ہے لیکن دور سے دیکھنے پر ہریالی ایسی لگتی ہے جیسے ابھی جوان ہو۔

یہ وہ مبارک درخت ہے جو انسان ہوتا تو صحابی ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ نے ملک شام کا سفر کرتے ہوئے اس درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام فرمایا تھا۔ ملک شام اس درخت سے شمال کی جانب ہے اور عرب جنوب کی جانب۔ محبوب خدا ﷺ کو سایہ دینے کا فیض اسے یہ ملا کہ آج 25۔30 کلو میٹر کے پتھریلے علاقے میں اس درخت کے علاوہ کوئی درخت بلکہ ہریالی بھی نظر نہیں آتی لیکن چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد یہ درخت ابھی بھی جوں کا توں ہرا بھرا ہے۔ نہایت گھنا، پورے طور پر سایہ دار، دیکھنے میں دل کش، نہ بہت لمبا، نہ بہت چوڑا، نہ بیچ سے بے سایہ، نہ بدبودار، نیچے جاکر دیکھیے تو عام درختوں کی طرح پتوں اور ٹوٹی ہوئی شاخوں کا کچرا بھی نہیں۔ ہم نے تنے پر دیکھا کالا گوند رس رہا تھا۔ نیچے کی زمین لیس دار ہے جس سے مکان لیپے جاسکتے ہیں۔ ہم نے نماز عصر اسی کے نیچے ادا کی جس کی امامت کا شرف فقیر کے سر رہا۔ چوں کہ ہمارے مذہب میں بعد عصر نفل کی اجازت نہیں، اس لیے یہ خواہش دبی کی دبی رہ گئی۔

گیٹ کیپر جو حکومت کی جانب سے اس درخت کے محافظ بھی ہیں، ان سے دریافت کیا: رسول اللہ ﷺ نے ملک شام کے دو سفر کیے،

پہلا بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ اور دوسرا حضرت خدیجۃ الکبری کا سامان تجارت لے کر 25 سال کی عمر میں، یہاں کس سفر کے موقع پر آرام فرمایا تھا؟ انھوں نے بتایا: اس کی صحیح تاریخ تو محفوظ نہیں تاہم منقول یہ ہے کہ یہ دوسرے سفر کا واقعہ ہے۔

رخصت ہوتے ہوتے ہم نے اپنے ہندوستانی مزاج کے مطابق چند پتے، چند خشک ٹہنیاں، وہ گوند اور نیچے کی مٹی کا ایک بڑا ڈھیلا تبرکا اپنے ساتھ لے ہی لیا۔ چچا سرپٹ دوڑ دور رہے تھے۔ وقت بہت کم تھا اور انھیں آج بھی افطار یتیموں کے ساتھ کروانی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ہم دیہاتی علاقے میں واقع "جمعیت جبل زم زم" کے دفتر میں پہنچ چکے تھے جہاں افطار کی تیاریاں مکمل تھیں، یتیم بیٹھے تھے، جمعیت کے ذمہ داران بھی تھے۔ ہمارا استقبال ہوا اور افطار کے لیے بیٹھ گئے۔

یہ جمعیت بھی اسلامک ہیلپ کی طرح رفاہی تنظیم ہے جس کا بڑا کام یتیموں کے تعلق سے ہے۔ اس سے وابستہ ایک ایک فرد میں تحریکی حرکت بھی نظر آتی ہے اور تحریکی مزاج بھی۔ دوڑ دوڑ کر خدمت کرنا گویا یہ اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہوں۔

جمعیت جبل زم زم کے دفتر سے عمان شہر 70 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ اس شاہ راہ پر "جامعہ ہاشمیہ" اور " جامعہ زرقا" جیسی کئی ایک یونیورسٹیز قائم ہیں، ہاشمیہ شاہی یونیورسٹی ہے، خواہش تھی کہ کوئی ایک یونیورسٹی وزٹ کریں لیکن جتنی ڈاکٹر خالد ہمت ہار چکے تھے، اس سے زیادہ ہمارے ساتھی تھک چکے تھے، اس لیے یہ خواہش بھی دبی رہی۔

ہمارے شجاعت بھائی بہت متحرک ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر حسن جعجع کو ہماری آمد کی اطلاع دیتے ہوئے ملنے کی تاکید کر دی تھی، ان کا میسیج موصول ہوا: نراکم بعد الافطار ان شاء اللہ تعالی، ای ساعۃ ستصلون الی الفندق؟

جب ہوٹل پہنچے، ان کو مطلع کیا، تشریف لائے، بڑی منجھی ہوئی شخصیت کے مالک ہیں، وہ خود بھی غیر اردنی ہیں اور ان کی اہلیہ بھی فلسطین کی ہیں اور انھیں فلسطین سے غیر معمولی لگاؤ ہے۔ پیشے سے زراعت کے ماہر ہیں اور اسی میدان سے شغف رکھتے ہیں۔ اے پی این (عرب گروپ فار دی پروٹکشن آف نیچر) نامی تنظیم کے بانی ہیں لیکن اس میں عہدے دار نہیں۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد فلسطین میں درخت لگانا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اسرائیلی فلسطینیوں کو درخت نہیں لگانے دیتے بلکہ پرانے درختوں کو اکھاڑتے بھی ہیں، ایسے میں ان کے مقابلے میں ہمارا نعرہ ہے: یقلعون شجرۃ، نزرع عشرۃ۔ اسرائیلی جہاں ایک درخت اکھاڑیں گے، ہم دس لگائیں گے۔ جبکہ ہمارا بنیادی مقصد ہے: نزرع لنحیا۔ ہم اس لیے درخت لگاتے ہیں کہ زندہ رہ سکیں۔

انھوں نے جو تعارفی کتابچہ ہمیں دیا، اس میں کھول کر دکھایا کہ وہ ایم ٹی سی (ملین ٹری کمپیئن) کے تحت کام کر رہے ہیں اور سن 2000 سے سن 2016 تک کئی ملین درخت لگا چکے ہیں۔ کس علاقے میں کتنے درخت لگائے ہیں اور کون سا درخت کتنی تعداد میں لگایا ہے، کتابچہ میں سب کی

تفصیل ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہاں بطور مثال صرف یروشلم شہر اور زیتون درخت کے آنکڑے پیش ہیں: ان سولہ سالوں کے دوران ان کی تنظیم نے تنہا یروشلم شہر میں 137،693 درخت لگائے ہیں۔ درختوں کی تعداد کے اعتبار سے پورے فلسطین میں صرف زیتون کے 1،109،353 درخت لگائے ہیں۔

انھوں نے اس مہم کا مقصد بتاتے ہوئے کہا: (1) ہم زیتون سمیت قیمتی درخت لگاتے ہیں تاکہ زمین کے مالک کو مالی فائدہ ملے، (2) فلسطینیوں کا فلسطین میں قیام مستحکم ہو، (3) جن لوگوں کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہیں، ان کے لیے انکم سورس پیدا ہو، (4) جن کے پاس پہلے سے ذریعہ آمدنی ہے، ان کو مزید مالی سہارا ملے۔

ان کا یہ فلسفہ اس لیے بھی سمجھ میں آیا کہ ان کے کتابچہ میں کچھ ایسی تصویریں بھی دیکھی جاسکتی ہیں جب فلسطینی اپنی جان پر کھیل کر درخت لگا رہے ہیں اور اسرائیلی فوجی ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ جعجع فلسطینی زخمیوں کا عمان شہر کے ایک خاص ہاسپٹل میں علاج بھی کرواتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں اس ہاسپٹل کے وزٹ کے لیے کہا، لیکن محرومی کہ وقت میں گنجائش نہ نکل سکی۔

ان سے مل کر جہاں بے پناہ خوشی ہوئی، وہیں کام کرنے کے لیے ایک نئی جہت اور نئی فکر بھی ملی۔ اسی فکری خوشی کے ماحول میں چند فوٹو لیے، رات کے کوئی بارہ بج رہے تھے، یہ رخصت ہوئے اور ہم اپنے کمرے میں۔

3/جون، اتوار:۔ آج کا دن عمان سے روانگی کا دن تھا اور وانگی سے پہلے بہت سے کام کرنے تھے۔ حسب معمول دن کے دس بجے صبح ہوئی اور صبح ہونے کے ساتھ ہی شیڈول کے مطابق ہم اسلامک ہیلپ کے دفتر پہنچ گئے۔ کسی رفاہی تنظیم کا دفتر، ایسے وی آئی پی علاقے میں ہوگا، اس کا خیال نہ تھا، محل وقوع کے ساتھ آفس کا نظم ونسق بھی کسی بڑی تجارتی کمپنی کے آفس سے کسی طرح کم نہ تھا۔ کام کرنے کے لیے لیڈیز اسٹاف تھا۔ چیئرمین ڈاکٹر خالد جمعہ کا آفس واقعتا چیئرمین کا آفس تھا۔ اسلامک

ہیلپ کی رفاہی خدمتوں کی تصویروں کے ساتھ دیواروں پر خدمت خلق کے تعلق سے اقوال و احادیث بھی خاصی تعداد میں تھیں۔

اسلامک ہیلپ کی سن 2013 میں یوکے میں بنیاد رکھی گئی۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد مظلوموں، غریبوں اور پریشان حالوں کی مدد کرنا ہے۔ فی الوقت یہ تنظیم برمنگھم، پاکستان، غزہ، یمن، جارڈن، تنزانیہ، بنگلادیش، فرانس اور آسٹریلیا میں مستقل طور پر آفیسز بنا کر کام کر رہی ہے جبکہ موقع کی مناسبت سے اب تک 20 سے زیادہ ملکوں میں اپنی خدمتیں دے چکی ہے۔ تنظیم کے دائرہ کار کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سال رواں 2018 جس کا تاحال نصف حصہ گزرا ہے اور نصف باقی ہے، تنظیم 10 لاکھ لوگوں تک اپنی مدد پہنچا چکی ہے۔ یہ بات پہلے آچکی ہے کہ جارڈن میں ڈاکٹر خالد جمعہ سوڈانی اس کے ذمہ دار ہیں اور اس تنظیم سمیت پرانی کچھ تنظیموں میں اپنی خدمتیں انجام دے کر قبول عام کے ساتھ درجنوں بڑے تمغہ جات حاصل کر چکے ہیں۔ در اصل ہمارے چچا مزاج کے اعتبار سے سوشل ورکر ہیں۔ تنظیم کے تعلق سے مزید تفصیل اس کی ویب سائٹ (www.islamichelp.org.uk) پر دیکھی جاسکتی ہے۔

آفس سے فارغ ہوتے ہی چچا ہمیں کل کی طرح سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہیں لے گئے، جہاں جانے کے لیے ہمارا یہاں آنا ہوا تھا۔ آج پھر تین الگ الگ جگہوں پر خیموں میں اشیائے خورد ونوش کی تقسیم تھی۔ ہمیں مکمل وثوق اور شافی تفصیل کے ساتھ تو نام یاد نہ رہے لیکن محترم فہیم بھائی بمبئی کی یاد دہانی کے بعد دھندلی تصویر کے ساتھ جن گاؤوں کے سائن بورڈ حاشیہ خیال میں گردش کر رہے ہیں وہ یہ ہیں: صبحا 1، ام القطین، صبحا 2، ام الجمال، ام السرب، جابر، البیض، المنصورہ، الھوسن وغیرہ۔ عام طور پر اس پورے خطے کو المفرق یعنی بورڈر ایریا کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ظاہر ہے ان علاقے والوں کا درد ٹھیک وہی ہے جو کل والوں کا درد تھا کیوں کہ یہ سب ایک ہی قسم کے مریض ہیں۔ وہی جھریوں والے بوڑھے، جن کی شکلیں اس بات کی چغلی کھاتی ہیں کہ وہ صرف ہمارے لیے مسکرا رہے ہیں ورنہ اندر سے زخمی زخمی ہیں۔ وہی اپنے پاؤں گھسیٹتی بوڑھیاں جن

کے قدم غموں سے بوجھل تھے۔ وہی دوشیزائیں جو ہر عزت دار خاتون خانہ کی طرح اپنا تقدس برقرار رکھنا چاہتی ہیں لیکن ظالم مظلومیت اور غربت نے ان کی عزتوں کو سربازار چند ریالوں میں بیچ بیچ ڈالا تھا اور وہی بدنما کپڑوں میں چمکتے خوب صورت چہروں والے بے گناہ بچے جن پر ہر بار یہ سوچ کر ترس آئے: کاش ان کے لیے کسی اسکول کا انتظام ہوتا، کاش! صرف غریب اور پردیسی ہونے کی وجہ سے ان کے والدین کی طرح ان کا مستقبل تباہ نہ ہو، کاش! کروڑوں کی مسلم آبادی میں ان کا بھی کوئی مسیحا نکل آئے۔ یکے بعد دیگرے ہم تین خیموں میں گئے اور ہر بار شاداں گئے اور نڈھال آئے۔ جانے کو امید کی کرن لے کر جاتے لیکن دیکھتی آنکھوں آخر کب تک دل کو جھوٹی تسلی دیتے، مایوسی کا اندھیرا لے کر لوٹتے۔

اب تو بوڑھا سورج بھی اپنے حوصلے ہار چکا تھا اور مسلسل مغرب کی جانب ڈوبتا جا رہا تھا۔ کوئی شام کے چار بج چکے تھے۔ ہم کل سے بار بار سیریا کا بورڈر چھو رہے تھے اور دور سے انگلیوں سے اشارے کر کر کے کہتے جاتے تھے: یہ مبارک زمین ہے، اس زمین کے لیے رسول اللہ ﷺ نے دعائیں کی ہیں، یہ قیامت کی زمین ہے، قیامت تو جب آنی ہے، آنی ہے، ابھی قیامت سے پہلے یہاں یہ قیامت کیوں بپا ہے؟ ہم ہر بار ڈاکٹر خالد سے یہ بھی کہتے جاتے تھے: چچا! ہمیں سیریا بورڈر بالکل قریب سے دیکھنا ہے۔ چچا نے ہم سے کئی بار وعدہ لے رکھا تھا، آج انھیں اپنا وعدہ پورا کرنا تھا۔ خیموں سے فراغت کے بعد چچا ایفائے عہد کے لیے پختہ روڑ پر دوڑاتے ہوئے ہمیں ایک ایسی سیمنٹیڈ دیوار کے پاس لے آئے جو قد آدم سے دوگنی تھی اور یہیں پر روڑ بھی ختم تھا۔ پختہ دیوار کا دور تک چلتا ہوا یہ سلسلہ سیریا کا بورڈر تھا۔ دیوار سے متّصل پولیس چوکی تھی اور پولیس چوکی سے ٹھیک پہلے پاپیادہ لوگوں کے لیے روڑ کراسنگ برج۔ یہاں برج کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ نہ یہ روڑ، آباد روڑ تھا اور نہ یہاں ذرا برابر ٹرافک جام۔ لگتا تھا یہ برج دراصل جارڈن کے اندر سے زمین شام کی نظارہ گاہ ہے۔ ہم نے اسی قیاس سے اس برج پر چڑھ کر کوئی سو ہاتھ کی دوری سے ایک بابرکت زمین کا حسرت بھری نگاہوں سے دیدار کیا۔

خلاف معمول چچا نے جلدی سے برج سے اترنے کا مطالبہ کیا اور فوراً ہمیں لے کر الٹے قدم یوں دوڑنے لگے جیسے کوئی آسیب تعاقب کر رہا ہو۔ چچا نے ہمیں کچھ بتایا تو نہیں لیکن جس طرح انھوں نے جلدی مچائی، ہمیں لگا: جارڈن اور سیریا بورڈر کا کوئی ویسا ہی مسئلہ ہے جیسا عام طور پر غلط فہمیوں کی وجہ سے دو ملکوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔

ہمارے بہت سے امداد کردہ علاقوں سے ہوتے ہوئے ہم دو ڈھائی گھنٹہ دوڑ کر عمان کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ آج افطار کا پروگرام ہمارے چچا کے گھر تھا۔ چچا راستے میں ہی بذریعہ فون اپنے گھر ڈائرکشن دے چکے تھے۔ ہم نے غروب آفتاب سے تقریباً بیس پچیس منٹ پہلے حنفی وقت کے مطابق نماز عصر ادا کی اور پھر چچا کی پر تکلف افطار۔ جارڈن میں افطار کا اہتمام ہندوستان سے بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ دراصل یہاں کی عادت افطار نما کھانا کھانے کی ہے۔ افطار کے بعد کھانا نہیں کھایا جاتا، پھل کھائے جاتے ہیں جبکہ افطار میں پھل نہیں ہوتے۔ یہاں افطار کی ایک دل بھاتی ادا یہ بھی ہے کہ مکمل سیر ہونے کے بعد ہی نماز ادا کی جاتی ہے، ہندوستان کی طرح افطار کے ٹکڑے نہیں کیے جاتے۔ افطار میں کچھ مقوی مشروبات ہوتے ہیں۔ افطار کے بعد ٹھنڈے مشروبات پیے جاتے ہیں، پھر عربی قہوہ اور پھر چائے یا کافی۔ یہ تمام کام لازماً کیے جاتے ہیں، ان میں کمی کرنا، عیب مانا جاتا ہے۔ اس طرح گویا یہاں رمضان میں مغرب سے عشا تک کا وقت کھانے پینے کے حوالے ہو جاتا ہے۔

عربی قہوہ بہت مفید ہوتا ہے لیکن ہماری ہندوستانی طبیعت کے لیے وہ کسی دوا سے کم نہیں تھا اور دوا بھی ایسی جس کا پی لینا آسان نہ ہو۔ اس قہوے کی بڑی تاریخ ہے اور بڑے انداز۔ ڈاکٹر خالد نے ہمیں بتایا: اس کا کلچر ہے دینے والا داہنے ہاتھ سے دے اور لینے والا داہنے سے لے، اگر ایسا نہ ہوا تو اسے مہمان یا میزبان کی شدید اہانت سمجھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنا تجربہ ذکر کرتے ہوئے کہا: ہمارے ایک دوست جو فی الوقت منسٹر ہیں، یو کے کے سفر سے آئے اور ہمارے مہمان بنے۔ ہماری اہلیہ نے انھیں بائیں ہاتھ سے کافی تھما دی، بہت برا مان گئے، آخر مجھے یہ تاویل کرنی پڑی: یہ عربی النسل نہیں ہیں، اس لیے یہاں کا کلچر نہیں جانتیں۔

اتفاق کہیے: جس وقت ڈاکٹر خالد ہمیں قہوہ کی یہ تاریخ بتا رہے تھے، ہمارے داہنے ہاتھ میں کچھ تھا اور ہم نے بھی مجبوری میں بائیں ہاتھ کا استعمال کیا لیکن ظاہر ہے ہماری عجمیت ڈاکٹر صاحب کو یہ حق نہیں دیتی تھی کہ وہ ہمارے اس طرز عمل کا برا مانتے۔

ڈاکٹر خالد کا مکان ایک طرف پہاڑی قسم کی ڈھلان اور دوسری طرف ٹھیک پہاڑی قسم کی چڑھائی کے درمیان ہے۔ ہماری دریافت پر چچا ہمیں ایک ایک چیز کی تفصیل بتاتے رہے اور ہم ہندوستانی روپیوں کی شکل میں اس کا حساب لگاتے رہے، چچا کے اس مکان کی مالیت تقریبا 4 کروڑ ہندوستانی روپیے ہوتے ہیں۔ اس قیمت سے ہی اس کی بناوٹ اور محل وقوع کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جس پر اس کا ڈیکوریشن مستزاد۔

نماز مغرب سے فراغت کے بعد سے کوئی رات گیارہ بجے تک ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ رہا۔ پہلے مکان کی دالان میں بیٹھ کر باتیں ہوتی رہیں اور پھر جب ٹھنڈک ناقابل برداشت ہو گئی تو اندر آ گئے۔ دراصل یہاں دن چاہے جیسا ہو، رات میں پہلے ٹھنڈک اور پھر اہتمام کی متقاضی سردی پڑنے لگتی ہے۔

ادھر میں عربی میں ڈاکٹر صاحب سے کوئی سوال کرتا اور ابھی ڈاکٹر صاحب کا طویل جواب ختم نہیں ہو پاتا کہ ڈاکٹر اویس حسن کچھ انگلش میں پوچھ ڈالتے، ابھی سانس رک نہیں پاتی کہ سید صادق ارشاد صاحب بول پڑتے۔ اس گفتگو سے ڈاکٹر خالد کی گہری شخصیت کا اندازہ ہوا۔ اس سادہ مزاج سوشل ورکر میں خدائے تعالی نے بڑی خوبیاں ودیعت فرمائی ہیں۔ انفرادی طور پر بلند فکر بندے بھی مل جاتے ہیں اور وسیع العلم بھی، جذبہ خدمت رکھنے والے بھی ہاتھ لگ جاتے ہیں اور مخلص بھی، سنجیدہ فکر بھی تلاش کیے جا سکتے ہیں اور محنتی بھی لیکن جب یہ تمام اوصاف یکجا تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تو کم سے کم میرے دماغ میں ڈاکٹر خالد جمعہ کی شکل ضرور ابھر کر آئے گی۔

یہ گفتگو اس سفر کی سب سے اہم گفتگو تھی جو جتنی متنوع تھی، اتنی اطمینان بخش بھی تھی۔ اسرائیل کی پالیسی، جارڈن کی مجبوری، عرب کی دیوثی، مظلوموں کی حالت زار، عالم اسلام کی تباہی،

فلسطین کی بے بسی اور دیگر بے شمار ملکی، ملی، اسلامی، سیاسی اور رفاہی موضوعات تھے جو اس تین ساڑھے تین گھنٹے کی گفتگو میں زیر بحث آئے اور خوب آئے۔ کاش! ہماری انگلش اور ہمارے دونوں ساتھیوں کی عربی کم زور رگ نہ ہوتی تو لطف دوبالا ہو جاتا۔

اسرائیل کی ظالمانہ پالیسیوں کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی یہ بات سن کر حیرت اور افسوس کی انتہا نہ رہی: اسرائیل نے اپنی ٹکنالوجی کی بدولت جارڈن کے نشیبی علاقوں کا پانی اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اسرائیل نے ہی جارڈن پر یہ داداگیری والی پابندی عائد کر رکھی ہے کہ وہ پٹرول نہیں نکال سکتا۔ جارڈن کی فضا پر بھی ایک حد تک اسرائیل کا قبضہ ہے۔

ڈاکٹر خالد اور ان کے بیٹے شعیب کے ساتھ یہ تجربہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کو اپنی زبان سے صاف صاف کچھ کہتے ہوئے ہچکچاتے ہیں لیکن اندرونی طور پر ناراض بہت ہیں۔ ممکن ہے اس کا سبب بادشاہ کے دربار میں چغل خوری کا اندیشہ ہو۔

گیارہ بجے ہمیں ڈاکٹر خالد کا مکان چھوڑنا تھا۔ روانگی سے پہلے کچھ پکچرس ہوئیں، ڈاکٹر صاحب نے مسجد اقصی کا ماڈل ہمیں گفٹ کیا اور پھر ہمارے بالاصرار منع کرنے کے باوجود ڈاکٹر صاحب ہی ہمیں ایئرپورٹ ڈراپ کرنے چلے آئے۔ راستے سے انھوں نے ہمارے لیے اردنی حلوہ کے پیکٹ لیے اور رات بارہ بجے ہم ایئرپورٹ پہنچ چکے تھے۔ عمان کا ائیر پورٹ بہت بڑا نہ سہی لیکن فلائٹ کا ٹائم ہونے تک انتظار کی گھڑیاں کاٹنے کے لیے وزٹ کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

4/جون، پیر:۔ جی! اب رات کے دو بج چکے ہیں اور عمان شہر سے مسقط کے لیے فلائٹ اڑان بھر چکی ہے۔ تین گھنٹے کی مسافرت کے بعد ہمیں مسقط کے ساڑھے چھ بجے مسقط ایئرپورٹ پر اترنا ہے۔ ظاہر ہے سحری کا کھانا فلائٹ کے ذمہ ہے۔ سنا تھا بنگالی لوگ چاول مچھلی بڑی چاہ سے کھاتے ہیں، آج کھانے کی حد تک ہم بھی بنگالی بن چکے ہیں۔ خیال بھی نہ تھا یہ سحری رمضان بھر کی سب سے لذیذ سحری ہوگی۔ کم آبادی والے شہر سے اور وہ بھی رات کے دو بجے کوئی فلائٹ اڑان بھرے، اس کا نتیجہ کیا

ہو سکتا ہے، بتانے کی ضرورت نہیں۔ آدھم آدھ سیٹیں خالی تھیں، ہم نے موقع کا فائدہ اٹھایا، سحری کھائی، نماز فجر پڑھی اور تین سیٹوں کو ایک بنا کر یوں دراز ہوئے کہ مسقط میں آنکھ کھلی۔

وہی نظارہ، وہی صفائی، وہی ایئرپورٹ کی وسعت، عمان کا ایئرپورٹ جتنا چھوٹا تھا، مسقط کا اتنا ہی بڑا۔ پچھلی بار کے تجربہ کا اس بار فائدہ اٹھایا، ہماری فلائٹ لائن سے ٹھیک متّصل ایک حجرہ نما استراحت گاہ میں پہنچے اور پھر گھنٹے بھر کے لیے دراز ہو گئے۔

صبح نو بجے مسقط سے اڑان بھری اور تین گھنٹے کی جگہ ساڑھے تین گھنٹہ مسافت کے بعد انڈیا کے دو بجے ہمارے بوڑھے شہر دہلی میں موجود تھے۔ کوئی آدھا گھنٹہ طیارہ این سی آر علاقے کا طواف کرتا رہا اور دہلی ایئرپورٹ کا ٹرافک جام اسے زمیں بوسی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ فلائٹ کی لینڈنگ کے ساتھ ہی سب سے پہلے لمبا دم گھٹنے کے بعد ہمارے سم کارڈ کی جان میں جان جائی اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی ہماری جان پر بن آئی۔ یہاں سے تینوں رفیقوں کی منزلیں جدا ہوئیں، خدا کرے پھر ایسی رفاقت ملے۔ دہلی ایئرپورٹ پر تو کچھ احساس نہ ہوا، میٹرو میں بھی کوئی تکلیف نہ ہوئی لیکن جیسے ہی میٹرو سے رکشے میں بیٹھے نہ صرف ناک کا نزلہ جاتا رہا بلکہ دماغ کا بخار بھی اتر گیا اور ایک طرف سے درجہ حرارت کی تیزی، دوسری طرف سے دہلی ٹرافک کی گہما گہمی، تیسری طرف سے عوام کی ہمہ ہمی اور چوتھی طرف سے فضائی آلودگی نے جو ایک ساتھ مزاج پرسی کی تو زبان سے بے ساختہ نکلا: سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔

دہلی سے شام ساڑھے پانچ بجے روانہ ہو کر ڈبل ڈیکر ٹرین سے رات دس بجے تک جے پور پہنچنے میں کوئی خاطر خواہ دشواری نہیں ہوئی لیکن آج پندرہ دن گزر جانے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے جیسے روح کہیں پیچھے چھوٹ گئی ہو، جسم ڈھوئے ڈھوئے پھرتا ہوں، کام کرتے کرتے ایسا لگنے لگتا ہے جیسے بنا حاضر دماغی کے کوئی آسیب زدہ کچھ لایعنی سے کام کر رہا ہو۔ اب بھی حاشیہ خیال میں کبھی کسی خیمے کی طنابیں نظر آتی ہیں، کبھی کوئی کینسر میں مبتلا مریض دکھائی دینے لگتا ہے، کبھی اس فلسطینی بچے کے خیمے میں نہ پہنچ پانے کا کھٹکا جھٹکا دیتا ہے اور کبھی آہستہ آواز آتی ہے:

کیوں 19 لاکھ لوگوں کے درمیان 21 اکیس لاکھ کا تبرک بانٹنے چلے گئے تھے؟ کیا اتنا بھی خیال نہ آیا: یہ تمھارے ملک کی ہلکی کرنسی کی ڈیڑھ اکائی بھی نہیں بن پاتی۔ کیا زندہ لاشوں کے درمیان تصویریں کھنچوانے سے پہلے یہ غیرت نہ آئی: یہ فوٹو تم کہیں اس اسلامی دنیا کے سامنے تو وائرل نہیں کر دو گے جس کے خوابیدہ دلوں پر چند خیموں کی ڈھیلی طنابیں کیا اثر کریں گی، مسلسل تباہ ہوتے مسلم ممالک کے کھنڈروں نے بھی کوئی تاثر نہیں چھوڑا۔

جیسے ہی یہ خیالات دستک دیتے ہیں ردعمل کے طور پر اندر ہی اندر مسلم ورلڈ بالخصوص آزاد ہندوستان کے مذہبی طبقے کی بے حسی پر غصہ آنے لگتا ہے، پھر کڑھن محسوس ہونے لگتی ہے، پھر اپنی تنہائی اور بے بسی پر رونا آنے لگتا ہے اور پھر نگاہوں کے سامنے دور تک مایوسی کا ایک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھانے لگتا ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ قرآن کا لگاؤ مایوس نہیں ہونے دیتا، اسی ضمن میں ایک امید کی کرن جاگی ہے جس پر ان شاء اللہ تعالی ہم تجزیاتی قسط میں بات کریں گے۔

یہ خیالی دنیا بھی کیا کم ستم ڈھاتی تھی، ہمارے رفیق درس مولانا رضی احمد مصباحی کے اس استفہامیہ تاثر نے آبدیدہ کر دیا، وہ بھی کیا ظالم ہیں، مجھ سے غایت درجہ محبت کرتے ہیں، لیکن محبت کی بولی میں کبھی ستم ظریفی بھی کر جاتے ہیں، پوچھنے لگے: اس امت کے اولیا اور اصحاب رسول کے بے گناہ بچے کیسے ہیں؟ وہ بچے آپ سے کس طرح ملے، ان کی نگاہیں آپ سے کیا پوچھ رہی تھیں؟ ان بے گناہوں پر اللہ نے یہ عذاب کیوں مسلط کیا؟ کیا ان ننھی کلیوں کے لیے باغ اسلام کے کسی گوشے میں کوئی جگہ نہیں؟ مفتی صاحب! کیا وہ بچے اپنے والدین کے لیے روتے بھی ہیں؟ کیا وہ بچے اپنے آقا ﷺ کو اپنا درد نہیں سناتے؟

رضی مصباحی کا سوال صرف اپنے کسی دوست سے نہیں، ایک تاریخ سے ہے، ایک زمانے سے نہیں، صدیوں سے ہے، ایک ملک سے نہیں، ایک دنیا سے ہے۔ رضی نے یہ بات شعور میں لکھی ہے یا غیر شعوری طور پر، وہ جانیں لیکن اگر سچ مچ ان بے گناہوں نے کبھی اپنے نبی کو اپنی داستان سنا دی تو کیا

ہم اس نبی کے سامنے یہ اعتراف کر سکیں گے: ہم بھی اسی زمانے میں زندہ تھے، جب یہ بے گناہ لاشیں زندہ تھیں؟

سفر ہوتے رہے ہیں، اگر اللہ نے چاہا تو آگے بھی ہوتے رہیں گے بلکہ سچ تو یہ ہے: زندگی ہی سفر ہے اور سفر ہی زندگی ہے۔ لیکن ایسا سفر جس نے کلیجہ پر چوٹ کی ہو، جس نے روح کو زخمی کیا ہو، جس نے پوری ملت اسلامیہ کے وجود پر سوالیہ نشان کھڑے کر دیے ہوں، جس نے یہ بھلا دیا ہو کہ ہم بھی کسی مصیبت میں ہیں، یا ہم بھی کبھی کسی مصیبت کا شکار ہوئے تھے، شاید اس سفر کے علاوہ اور کوئی سفر نہ ہو اور اللہ کرے نہ ہو۔

بے شک اس دنیا میں نیا کچھ بھی نہیں، نہ ظلم کا دستور نیا ہے، نہ ظالم کی ریت نئی اور نہ مظلوم کی عادت نئی لیکن ایسے مظلوم جن کی مظلومیت پر پتھروں کی آنکھیں بھر بھر آئیں، ایسے یتیم جن پر یتیموں کو ترس آئے، ایسے غریب الوطن جن پر وحشت کو عار آئے، اس جگہ کے علاوہ شاید بوڑھے آسمان کی چھتر چھایہ میں کسی دوسری جگہ نہ ہوں۔

ان میں وہ یتیم بھی ہیں جنھیں شعور کی آنکھ کھولنے کے ساتھ ہی اپنے والدین سے محروم کر دیا گیا، پھر اپنے ملک سے دربدر کر دیا گیا، پھر پناہ دہ ملک میں محصور کر دیا گیا، پھر اس قید حصار میں دانے دانے کے لیے مجبور کر دیا گیا، پھر ان کی نگاہوں کے سامنے ان کی بہنوں کو ہوس کا شکار بنایا گیا اور یہ شکاری بھیڑیے بھی وہ تھے جن کے سروں پر لعنت کے لال طوق تھے، جن کا حلیہ مسلمانی تھا۔ دنیا اپنے قبضے میں لیے گندم کے دانے ان تک نہ پہنچا سکی، دنیا کی قساوت قلبی، لیکن کیا ان شکاری بھیڑیوں کو یہ حق ہے کہ ان کے رب نے انھیں جو پاک دامنی کی عزت دی، اسے تار تار کریں؟ اگر ان بے ضمیروں نے درندگی کی ساری حدیں عبور کر دیں تو کیا باقی پوری دنیا کی مسلم امت بھی گونگی، بہری، اندھی اور مفلوج ہو چکی تھی؟

ان میں وہ بے اولاد بھی ہیں جنھیں دیکھتی آنکھوں اپنی اولاد سے محروم کر دیا گیا۔ ان میں وہ والدین بھی ہیں جن کو بیٹیوں کی عزت کا مفہوم خوب معلوم ہے لیکن غربت میں انھوں نے اپنے آپ

کو جاہل بنا لیا ہے اور دیکھتے ہوئے ان دیکھے بن گئے ہیں۔ان میں وہ بھی ہیں جن کا حال ہی نہیں، مستقبل بھی تباہ تباہ ہے اور ان میں وہ بھی ہیں جن کی زندگی سے زیادہ موت آسان ہے۔ جب تک یہ خیالات پیچھا کرتے رہیں گے، ہر لذت بے فیض اور زندگی کا ہر لمحہ بے مزہ رہے گا۔ ہو سکتا ہے، کچھ غم غلط ہوں تو بات آگے بڑھے۔

شذراتی باتیں:۔ جارڈن کے لوگ مسلکاً آزاد منش لگتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد مالکی تھے۔ شعیب سے ہم نے تقلید کے متعلق سوال کیا تو جواب تھا: لا نھتم بامام بل ناخذ شیئا من القرآن، شیئا من الحدیث و شیئا من العقل۔ ایک گھر میں رہ رہے باپ اور بیٹے کے درمیان، اس قدر فکری اور مسلکی مسافت اور یہاں کے تجربات سے سے یہی بات اخذ کی جا سکتی ہے۔

عام طور پر جارڈن میں روڑ کی سہولیات بہت عمدہ ہیں۔ ہمارے یہاں کے روڑوں کی طرح وہاں فار لائن اور سکس لائن کا انداز تو نہیں، لیکن دائرہ وسعت کسی طرح کم بھی نہیں۔ روڑ کشادہ بھی ہیں، صاف بھی، رات میں روشن بھی ہیں اور شکستہ بھی نہیں۔ البتہ زمینی نشیب و فراز اتنے ہیں کہ مسطح بنانا شاید آسان نہیں، اس لیے اونچ نیچ کے ساتھ اٹھا پٹخ کا لطف بھی خوب ہوتا ہے۔

اردن کے بادشاہ عبداللہ دوم ہاشمی گھرانے کے فرد ہیں۔ نسلاً اور توارثاً گدی کے اصل مالک ان کے چچا تھے لیکن ان کی بیماری کی وجہ سے یہ میاں بادشاہ بن بیٹھے۔ ان کے شاہ زادے حسین کے ساتھ ملک بھر میں ان کے جابجا فوٹو لگے ہوئے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ بیٹا بھی عیش پرستی میں باپ سے کسی طرح کم نہیں، ویسے شاہ زادوں سے اس کے علاوہ امید بھی کیا کی جا سکتی ہے۔ ملکہ عالیہ اصلاً فلسطین کی رہنے والی ہیں لیکن فلسطینیت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ بادشاہ کی طرح بہت آزاد خاتون ہیں اور بہت ماڈرن بھی۔ شاہی خاندان کے مزاج کا یہ ماڈرن ازم صوری بھی ہے، معنوی بھی اور ذہنی بھی۔ ذہنی ماڈرن ازم سے ہماری مراد اسرائیل کی غلامی ہے۔ عام طور پر یہاں کی پبلک کے لیے بادشاہ کے خلاف اظہار رائے بہت مشکل ہے لیکن دبے لفظوں میں پبلک کا عندیہ ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اور

زبان خلق کسی طرح بادشاہ کی حامی نہیں۔ بلکہ مفہوم مخالف کا سہارا لیا جائے تو باغیانہ تیور صاف نظر آتا ہے۔

جارڈن غریب ملک یوں ہے کہ مملکت کے پاس آمدنی کے مضبوط ذرائع نہیں اور قیامت یہ ہے کہ مستقبل کے تحفظ کے لیے بادشاہ کو اس بات کی ذرا فکر بھی نہیں۔ عوامی ٹیکس سے بادشاہت چل رہی ہے اور یہ ٹیکس بھی کافی گراں ہے، جس کی وجہ سے عوام کا اندرونی غم و غصہ کبھی کبھی سڑکوں پر چھلک پڑتا ہے، جس کی دلیل گزشتہ جمعہ میں مسجد جعفر بن ابی طالب میں ہو رہا پٹرول کے خلاف احتجاج ہے۔

ماڈرن ازم کے ساتھ بادشاہ سلامت کے دماغ میں ایک خیال خام کا بھی سودا سمایا ہوا ہے اور وہ یہ کہ ان کی حکومتی گرفت بہت مستحکم ہے جس کی وجہ سے عوامی احتجاج مملکت کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ عرب بہار گواہ ہے کہ اس گمان کے غلط ہوتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اللہ نہ کرے، بہت ممکن ہے عرب بہار کا کوئی جھونکا اردن کی طرف بھی آئے اور یہاں کی حکومت کو بہا لے جائے۔ کاش! ایسا کچھ ہونے سے پہلے بادشاہ بھی سنبھل جائے اور بادشاہت بھی۔

اسلامی اصولوں پر کاربندی کے لیے حکومت کا ایک شعبہ ہے جس کی تمام تر ذمہ داریاں یہاں کے مفتی اعظم کے سر ہیں اور ان کے ماتحت مرکزی دار الافتا میں کئی ایک مفتیان شرع بھی متعیّن ہیں لیکن شعیب کا ماننا تھا: یہ مفتی شریعت کے مطابق نہیں، بلکہ بادشاہ کی خوشنودی کے مطابق فتوے جاری کرتے ہیں، اسی لیے عوام کے دلوں میں ان کا کوئی وقار نہیں اور عملاً ان کا ہونا، نہ ہونا، کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ کار افتا در اصل محض ایک عہدہ و وزارت بن کر رہ گیا ہے۔ شاید بادشاہت اور اہل شریعت کا یہی تساہل ہے جس نے عوام سے ایک حد تک دینی مزاج چھین لیا ہے اور مسلم ملک ہوتے ہوئے، یہاں خاطر خواہ اسلام نظر نہیں آتا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رمضان میں یہاں خاص اہتمام ہوتا ہے۔ گھر گھر ڈیکوریشن ہوتا ہے۔ ممکن ہے عام دنوں میں حالات مزید ابتر ہوں۔

ہم نے ڈاکٹر خالد سے پوچھا: کیا میلاد النبی کے موقع پر یہاں رخصت ہوتی ہے؟ انھوں نے بتایا: آفیشیلی چھٹی ہوتی ہے اور میلاد النبی کے دن خوشیوں کا بھی اسپیشل انتظام ہوتا ہے۔

جارڈن کی خوراک مقوی ہے۔ مسالوں کا استعمال کم سے کم ہے اور اصل غذائیت کی طاقت بیش از بیش۔ یہی غذا یہاں کے باشندوں کی صحت و قوت کا راز بھی ہے۔ جبکہ ان کی آب و ہوا بھی اتنی صاف شفاف ہے کہ بیماریوں کا گزر نہیں ہوتا۔ البتہ اب یہاں کی فوڈ مارکیٹ میں ماڈرن ازم صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جگہ جگہ کے ایف سی اور میک ڈونل ریستوراں ہیں۔

جارڈن کی پوشاک کا یہودی سازشوں کے مطابق کوئی تشخص نہیں، اسلامی لباس کے نام پر عربی جبوں اور نسوانی برقعوں کے علاوہ کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ نوجوانوں کا عام لباس پینٹ شرٹ ہے۔ کچھ عورتیں بالکل آزادانہ لباس پہن کر گھومتی ہیں اور کچھ عورتیں بالکل ماڈرن اسٹائل کے پینٹ شرٹ میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ برقع پوش خواتین کے برقعے قدموں سے کافی نیچے گھسٹ رہے ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ یہاں کا برقع کلچر ہے۔

پتھریلے علاقوں کی وجہ سے یہاں کی عام زمینیں کاشت کے قابل نہیں، البتہ کہیں کہیں جدید انداز کی زراعت نظر آتی ہے۔ جدید انداز سے مراد پلاسٹک پر مٹی بچھا کر درختوں کی روپ کی جاتی ہے تاکہ پانی جذب نہ ہو۔ یا اوپر سے سایہ کرکے پانی کو خشک ہونے سے بچانے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ ٹکنالوجی کے معاملے میں تاحال جارڈن صفر ہے اور اس میدان کے ماہرین کے لیے یہاں بڑا اسکاپ ہے۔

اس سفر کا رسپونس:۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان بھر سے ہمارے اس امدادی سفر کی حوصلہ افزائیاں ہوئیں اور اب تک مبارک بادیوں کا سلسلہ جاری ہے جبکہ بیرون ملک سے بھی کئی احباب نے اس اقدام کو سراہا۔ ہمارے اس پورے عمل کا سہرا مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آف انڈیا کے سر جاتا ہے جس کے توسط سے یہ سب ممکن ہوا۔ عموماً جن جن بھائیوں نے جہاں جیسے ہماری مدد کی،

ہماری طرف سے بجاطور پر شکریہ کے مستحق اور دعا کے حق دار ہیں۔ اصل جزا دینے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے۔

ہم نے احتیاطا انڈیا واپس آنے سے پہلے وہاں کے فوٹو وائرل نہیں کیے لیکن جس گھڑی وائرل ہوئے، جنگل کی آگ کی طرح سوشل میڈیا کے ذریعہ ملک بھر میں پھیل گئے، جن کو دیکھ کر ملک و بیرون ملک کے کوئی درجن بھر ہندی ، اردو اور انگریزی اخباروں نے خبریں چھاپیں، چینلوں نے ویڈیو دکھائے، دعائیں دینے والوں نے دعائیں دیں، لکھنے والوں نے لمبے چوڑے حوصلہ افزا تاثرات لکھے، بیان کرنے والوں نے بیانات میں تذکرے کیے، حساس مزاجوں نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کیا، بحثیں کرنے والوں نے بحثیں کی اور عبرت حاصل کرنے والوں نے درس عبرت حاصل کیا۔

ہاں! حسب دستور کچھ بیمار ذہنیتوں کا یہ تاثر بھی سننے میں آیا: یہاں کون سے غریبوں کی کمی ہے، جو اتنی دور مدد کے لیے گئے۔ ظاہر ہے اس روحانی طور پر شدید بیمار ذہنیت کے لیے دعائے صحت کے علاوہ ہمارے پاس کوئی آپشن نہیں۔

تصویروں کی زبانی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے، لیکن سب کچھ نہیں، اور یہ سفر ایسا تھا جس کے ہر گوشے کا سامنے آنا ضروری تھا، اس لیے لازما اس کا سفرنامہ لکھنا تھا۔ سفرنامہ کے اپنے اصول ہوتے ہیں اور اپنا ایک ادبی طرز اسلوب، اور فقیر دونوں سے عاری۔ ممکن ہے اسی وجہ سے یہ سفرنامہ بہت سے ارباب ادب کے مطالعہ کی میز پر جایابی کا حق دار نہ ہو لیکن ہم مذہبی لوگوں کی ایک مجبوری ہے: ہم اپنا مذہبی رنگ کبھی اور کسی بہانے نہیں چھوڑ سکتے اور اتفاق سے ہم ہوتے بھی اتنے بے نیاز ہیں کہ ہمیں ان چیزوں کی کچھ پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ اگر اس سفرنامہ میں کوئی اچھائی راہ پا گئی ہو تو اسے اس سفر کی برکت سمجھیں اور جو خامیاں رہ گئی ہیں، ظاہر ہے ان کی ذمہ داری بہر حال اس خطاکار کے سر رہے گی۔ جیسے جیسے سفرنامہ کی قسطیں عام ہوتی رہیں، دعاؤں میں اضافہ ہوتا رہا، حوصلہ فزائیاں بڑھتی رہیں، تاثرات کے انداز بھی بدلتے رہے اور رفتہ رفتہ قسط وار اتنے تاثرات بڑھ گئے کہ چھٹائی مشکل ہے۔

آئیے تھوڑی دیر کے لیے معاصرانہ چشمک کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دل بڑا کر کے ایک تلخیصی جھلک دیکھ لیتے ہیں:

سنبھل سے مولانا توصیف رضا مصباحی نے اپنے خطابات میں ذکر کرنے کے علاوہ لکھا:

محترم! روتے ہوئے آپ کی تحریر پڑھ رہا ہوں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! آپ نے پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔

چوتھی قسط جو اس سفرنامہ کی سب سے زیادہ رقت انگیز قسط کہی جا سکتی ہے، اس پر یہ حاشیہ لگا کر مولانا موصوف نے شیئر کی:

بھائیو! محترم مولانا خالد ایوب صاحب کے قلم سے ان کے حالیہ دورہ شام کی درد بھری داستان جاری ہے، اس کی چوتھی قسط ضرور پڑھیں! یہ حقیقت پر مبنی تحریر پتھر دل کو بھی پگلا کر رکھ دے گی۔ اللہ پاک مولانا خالد صاحب کو سلامت رکھے! انھوں نے اس سمت میں جو کام کیا ہے، آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ عیاش شیوخ جس طرح ہماری مسلم بہنوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ان کی عزت سے کھیل رہے ہیں، مضمون کے اس حصے نے سخت بے چینی میں ڈال دیا ہے اور بس کیا لکھوں، سر چکرا رہا ہے، آنسو بہ رہے ہیں۔ برا ہو! ان امیر شیوخ کا جو امت مسلمہ کی بیٹیوں کو ہوس کا شکار بنا رہے ہیں۔

راقم الحروف پبلک پلیٹ فارم پر ہی اعلان کرتا ہے: مولانا خالد ایوب صاحب! آپ کے آج کے مضمون نے ہلا کر اور تڑپا کر رکھ دیا، اب جب بھی آپ اس طرح کا کوئی امدادی پروگرام بنائیں تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی یاد کر لینا، مجھ خاک سار سے جتنا بھی ممکن ہو سکے گا "تنظیم رضائے الٰہی" کے ذریعے آپ کی آواز پر ان شاء اللہ تعالی لبیک کہوں گا۔

مولانا توصیف ہماری جماعت کے عام خطبا سے الگ مزاج رکھتے ہیں اور امید ہے یہ مزاج انھیں کامیاب خطیب کے ساتھ کامیاب انسان بھی بنائے گا کیوں کہ تجربات کی روشنی میں یہ احساسات کسی انسان ہی کے ہو سکتے ہیں، چھٹی قسط کے تاثر میں لکھتے ہیں:

آپ کی تحریر نہ جانے کیوں دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، زیادہ دیر نہ سہی، کچھ وقت کے لیے ہی دنیا و مافیہا سے الگ تھلگ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے افراد کی شکل میں اس امت مظلومہ کو درد مند دل رکھنے والے مفکرین اور مدبرین عطا فرمائے۔

جامعہ اشرفیہ کے استاذ ادب اور ہمارے نہایت کرم فرما مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری نے آندھرا پردیش کی نمائندگی کرتے ہوئے مچھلی پٹنم سے لکھا:

الحمد للہ اب تک موصول ہونے والی ساری قسطیں پڑھ لی، انداز بیان نہایت دل چسپ، معلومات بہت عمدہ اور تحقیقی ہیں، آپ کی تحریر میں سب سے زیادہ جو چیز میرے لیے قابل توجہ رہی، وہ بیوہ، یتیم، نادار اور مفلوک الحال مہاجرین کی مدد اور امت مسلمہ کے بے قصور، بے گھر اور بے سہارا بچوں، بوڑھوں اور خواتین کے ساتھ ہم دردی کے نیک جذبات۔ آپ نے رقم فرمایا کہ کچھ خواتین اپنا حصہ خود اٹھا کر نہیں لے جا سکتی تھیں تو آپ نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر ان کا مقسوم ان کے گھروں تک پہنچایا، اس کی تصاویر بھی دستیاب ہیں، دنیا کی دولت پر دنیا دار رشک کرتے ہیں، لیکن جو اللہ سے اجر و ثواب کے طلب گار ہیں، وہ آپ کو ملنے والی اس عظیم سعادت پر رشک کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ خدایا! مولانا اور ان کے رفقا کی اس عظیم خدمت کو قبول کر لے اور ہمیں بھی اپنے بندوں کی سچی خدمت کے مواقع نصیب فرما اور امت مسلمہ پہ آئی افتاد کو دور فرما!

آپ کی تحریر پڑھ کر آپ کی خدمات کو سراہنے کے ساتھ ساتھ آپ کے معاون کار عزت مآب، عالی جناب ڈاکٹر خالد جمعہ اور ان کے صاحب زادے انجینئر شعیب میاں کا بھی شکریہ بے حد ضروری ہے کہ آپ کا یہ سفر اور منظم طریقے پر مستحقین تک امداد رسانی ان حضرات کی راہ نمائی بغیر ناممکن یا کم از کم دشوار ضرور تھی۔ اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے! آمین یارب العالمین۔

اگر آپ کا سفرنامہ نہ ہوتا تو شاید تصاویر کا اثر وقتی ہوتا، سفرنامہ پڑھنے سے شامی بحران اور وہاں کے ناگفتہ بہ حالات کی جو افسوس ناک صورت حال سامنے آئی ہے وہ محض چند تصاویر کی زبانی بیان نہیں ہو سکتی، تصویری جھلکیاں تو محض یادگار ہوا کرتی ہیں، آپ کی تحریر نے جو حالات کی منظر کشی ہے

اس کا کوئی جواب نہیں، دراصل ایسے ہی سفرنامے کسی بھی انسان کے اندر فکری انقلاب برپا کرتے ہیں اور اس کے جذبات کو مہمیز کرتے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

مولانا موصوف اپنی تمام بزرگانہ صفات کے ساتھ چھٹی قسط کے تاثر میں لکھتے ہیں: آپ کے مضمون میں آخر کے دو اقتباس پڑھ کر بے قصور پناہ گزینوں کے لیے دل بھر آتا ہے، واقعی بروز قیامت ہم اپنے رب کو کیا منھ دکھائیں گے اگر ہم نے حسب حیثیت ان کی امداد کے لیے بھرپور کوشش نہیں کی۔

عزیز مکرم مولانا عباس احمد ازہری نے فیس بک پر بہت پہلے لکھا تھا:

محب گرامی حضرت علامہ مفتی خالد ایوب مصباحی صاحب قبلہ اہل سنت کے ایک نوجوان عالم دین ہیں، جو حالات حاضرہ اور مسلم مسائل پر تقریر و تحریر کے ذریعہ روشنی ڈالتے رہتے ہیں اور جے پور، راجستھان سے ہندی ماہ نامہ احساس بھی نکال رہے ہیں اور خدمت خلق کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ ہم حضرت مفتی صاحب کو پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب فی الحال سیریا گئے ہوئے ہیں اور وہاں کے مظلوم غریب مسلمانوں کی مدد کر رہے ہیں، مظلوموں کے درمیان آپ نے کھانا، کپڑا اور دوائیاں وغیرہ تقسیم کیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ڈھائی ہزار خاندانوں کے درمیان مذکورہ خورد و نوش کی اشیا تقسیم کی گئیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کا یہ اقدام یقینا قابل ستائش ہے اور دیگر علمائے اہل سنت کے لیے غور و فکر کا مقام ہے۔

ارریہ، بہار سے ہمارے رفیق درس مولانا رضی احمد مصباحی نے یوں حوصلہ افزائی کی:

اللہ کا شکر ہے میں آج بھی خوب پڑھتا ہوں پہلے صرف پڑھتا تھا اب حالت یہ ہوتی ہے کہ اکثر پڑھتے پڑھتے زار و قطار رونے لگتا ہوں، آن لائن پڑھنے کا جب سے رواج ہوا ہے تب سے کئی بڑی بڑی کتابیں اور لمبے چوڑے مضامین پڑھ گیا، خاص کر آپ (خالد ایوب مصباحی) کی تحریریں ذوق اور شوق سے پڑھ کر دوسروں کو بھی پڑھنے کی ترغیب دے رہا ہوں۔ مفتی صاحب کو اس لیے بھی پڑھتا

ہوں کہ یہ کام بھی کرتے ہیں اور ایسی بے چینی دکھا جاتے ہیں کہ کام کا نقشہ، ذہن کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ زندہ مسلم لاشوں کی دنیا میں جانے سے پہلے پتہ نہیں مفتی صاحب نے کیوں سحری کے وقت اس گناہ گار انسان کو یاد کیا، ان کے جانے کے بعد ہر نماز میں ان کی سلامتی کی دعا کرتا کہ یہ اس وقت قوم مسلم کی بہت قیمتی دولت بن کر سامنے آئے ہیں اور اس لیے بھی کہ عراق کے سفر کے دوران کچھ سال پیشتر یہودیوں نے ہمارے شیخ اسید بھائی کو ہم سے چھین لیا تھا، دنیا کچھ کہے لیکن شیخ کی شہادت کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا۔ میں نے کسی کو اس بات کی خبر نہیں کی کہ مفتی صاحب اس وقت اردن کے سفر پر ہیں جہاں وہ مسلمانوں کی بے غیرتی کا جنازہ پڑھیں گے اور مسلمانوں کے خاتمے کا کھانا یتیموں کو اپنے ساتھ کھلائیں گے۔

مفتی صاحب نے واپس آکر اپنا سفرنامہ لکھنا شروع کیا، میں ہر لفظ توجہ اور دھیان سے پڑھتا گیا، لیکن مجھے کہیں سے بھی یہ بات نظر نہیں آئی کہ روتے بلکتے، تڑپتے اور آہیں بھرتے مسلم یتیم بچوں کے لیے عرب کے بے ایمانوں کے دل بھی مچلتے ہیں۔ تحریر کی خاصیت یہ رہی کہ اس نے کہیں رلایا اور اس قدر رلایا کہ موبائل بند کر دینا پڑا اور کہیں اس قدر غضب ناک کیا کہ دل میں خواہش پیدا ہوتی رہی اور اب بھی ہے کہ کسی دیوث عرب شیخ کو ایسی حرکت کرتے دیکھ لوں جو وہ معصوم پریشان حال تقدیر کی ستائی ہوئی بچیوں اور عورتوں کے ساتھ کرتے ہیں تو ان کا قیمہ بنوا کر اپنے یہاں کے آوارہ کتوں کو کھلا دوں۔ کاش! ایک بار متحد ہو کر پوری ملت اسلامیہ خلافت کی داغ بیل ڈالنے کے لیے سوچتی۔ میں مفتی صاحب کو ہزار بار مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ کفر بازی کی دنیا سے نکل اسلام سازی کی طرف سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مولانا رضی صاحب کو میں قریب سے جانتا ہوں، ان کا مادہ حس جتنا تیز ہے، دل بھی اسی قدر رقیق ہے، دوستی کی عادت نبھاتے ہوئے چوتھی قسط کے تاثر میں لکھتے ہیں: آپ کی اس تحریر نے اس قدر آبدیدہ کیا کہ میں ایک نظر نہیں پڑھ سکا، دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہوگئی کہ مجھے گمان ہوا میں دل کا مریض ہوں۔ آپ بڑے جگر گردے والے ہیں جو اتنا کچھ دیکھ کر برداشت کر گئے۔

اس مبارک درخت کی ٹہنی پتے، گوند اور مٹی سے اس گناہ گار کو بھی حصہ دیں گے۔ یہ آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ جب آپ اپنا سفرنامہ مرتب کریں تو اسے اول مقام دیں اور جو جگہیں تشنہ ہیں اسے مکمل کرلیں بڑا معلوماتی جذباتی اور کچھ کرنے کا جذبہ عطا کرنے والی تحریر ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی اہل سنت کے عالم کا پہلا درد اور معلومات سے لبریز سفرنامہ پڑھا۔ اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بہتر جزادیں۔ آمین۔

موصوف چھٹی قسط کے تاثر میں اپنے جذباتی تیور کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں:

اگر تنہائی میں بہنے والے آنسوؤں سے اولیائے کبار کے ان بچوں کا کچھ بھلا ہوسکتا ہے تو میں اپنے بدن کا سارا خون آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی شکل میں نچوڑ دوں۔ ان پیارے اور معصوم بچوں کے لیے میں جس قدر تڑپتا ہوں، اسے میرا رب عزوجل اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ ویسے بھی ہم گناہ گاروں کے پاس ہے بھی کیا، یہی دعاؤں کی قبولیت کی امید۔

جامعہ ازہر مصر سے مجی مولانا وسیم اکرم ازہری نے لکھا:

ساری قسطیں بالاستیعاب دیکھیں، عرب کے دیوثوں کی حرکتیں وہیں تک محدود نہیں، یہاں بھی سننے کو ملتی ہیں۔ ادھر شرم الشیخ اور اسکندریہ جیسے تفریحی مقامات میں بھی یہ اپنی ہوس بے جا کی تکمیل کے لیے ریال کا استعمال کرتے ہیں۔ خدا غارت کرے! ان دیوثوں کو۔ کافی دردناک داستان اور قوم مسلم کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اہل عرب کے دیوثوں اور اہل ثروت سے اللہ نپٹے۔ اہل ہند بھی چاہیں تو ان مظلوموں کی خاطر خواہ امداد ہوسکتی ہے؛ پیران عظام اور سرمایہ دار علما اس طرف کیوں متوجہ نہیں ہیں؟ یہ ان کی شرافت اور نیک نامی پر بہت بڑا سوال ہے۔ اللہ تعالی آپ جیسے دردمند علما پیدا فرمائے۔

مالیگاؤں سے مولانا غلام مصطفی رضوی نے گویا تمام قسطوں پر ایک مختصر تبصرہ کیا:

مولانا خالد ایوب مصباحی کے سفرنامے کی چار قسطیں محسوس نگاہوں سے مطالعہ کیں۔ دل میں درد کی ہوک اٹھی۔ شامی پناہ گزیں مسلمانوں کی معاونت کا یہ سفر زخم خوردہ قوم کی حالت زار کا آئینہ

ہے۔ جسے عیاش حکم رانوں نے نظر انداز کر دیا۔ مسلمانوں کی بے حسی نے اپنی ہی قوم کے لاکھوں افراد کو زندہ لاشہ بنا دیا۔ آج شام تباہ ہے۔ فلسطینی سسک رہے ہیں۔ اسرائیل نے عرصہ ظلم دراز کر رکھا ہے۔

اس سفرنامے نے قومی زخموں سے رستے لہو کی نشان دہی کی ہے۔ ہم بڑے بے بس ہیں۔ اپنے بھائیوں کی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ ہم سوئے ہوئے ہیں، اگر بیدار ہوتے تو یوں کئی کئی ممالک لہولہان نہ ہوئے ہوتے۔ مسلم حکم رانوں کے تغافل نے یہود و نصاری کے تشدد کو سہارا دیا ہے اور مظلوم دہشت زدہ ہیں۔

تاریک مستقبل کے منتظر خانماں برباد، حال کی بربادی کے غم میں مبتلا، نان شبینہ کے محتاج ہیں۔ جس قوم کو حاکم ہونا تھا وہ محکوم و مظلوم ہے۔

سفرنامے میں جارڈن کی زیارات کے پس منظر میں تنگی وقت کا شکوہ بھی مستور ہے۔ بہر کیف موصوف نے صورت حال کو بڑے سلیقے سے نمایاں کیا ہے۔ یہ سفرنامہ قومی حالیہ مصائب کا سرنامہ ہے، جس سے زندگی کی حرارت کو جگایا جا سکتا ہے۔

اس سفرنامے نے کئی رخ اجاگر کیے: خانماں برباد سیریائی مسلم بڑے مظلوم ہیں۔ مسلم حکم رانوں کو ان کی کوئی فکر نہیں۔ ان کے تاریک مستقبل نے کئی مسائل کھڑے کر دیے ہیں۔ عیاش عربوں نے عصمتوں کی سوداگری کی ہے۔ گویا محافظوں نے ہی خیانت کر دی۔ اسرائیلی مظالم نے جارڈن کی خود مختاری کو بھی نشانہ بنایا۔ اپنی طاقت سے اطراف کے مسلم ممالک کی ترقی پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں تاکہ غریب ملک غریب تر ہو۔ دفاعی ترقی نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ زرعی ذرائع بھی کم زور کرنے کے لیے پانی پر بھی اجارہ، افسوس ناک ہے۔ اس سفرنامے نے کئی زخموں کو اجاگر کیا۔ اللہ تعالی امت مسلمہ پر فضل فرمائے۔

مالیگاؤں ہی سے ڈاکٹر مشاہد رضوی نے یوں دعائیں دیں: جواں سال عالم دین حضرت مولانا مفتی خالد ایوب شیرانی مصباحی (چیف ایڈیٹر: ماہ نامہ احساس، جے پور) کے جذبہ فلاح انسانیت کو دل کی

گہرائیوں سے سلام محبت۔ موصوف مسلم اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن آف انڈیا کے پرچم تلے ملک شام کے متاثرین کی امداد کے لیے پہنچ گئے۔ غربا و مساکین اور مستحقین کی امداد و اعانت بہت بڑی نیکی ہے۔ اللہ پاک مفتی صاحب اور ان کے اعوان و انصار کو سلامت رکھے۔ آمین۔

اور اب اخیر میں محبوب نگر، تلنگانہ سے مفتی عبدالقدیر قادری مصباحی کا تاثر جنھوں نے "زندہ لاشوں کا مرثیہ" کے عنوان سے حسن بیان کے ساتھ اپنے درد دروں کو گویائی دی ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ پوری محبت کے ساتھ فقیر کو بھی نچوڑ کر رکھ دیا ہے:

زندہ لاشوں کا مرثیہ: راجستھان سے تعلق رکھنے والے انتہائی متحرک وفعال عالم دین مفتی خالد ایوب شیرانی مصباحی صاحب کے سفرنامہ اردن کی چھ قسطیں بعنوان "زندہ لاشوں کی مدد کے لیے جارڈن کا سفر" میرے وہاٹس ایپ پر تیرہ دنوں تک بیچ بیچ میں شدت انتظار کے بعد موصول ہوتی رہیں۔ اس سفر میں جہاں جارڈن میں پناہ گزیں شامی مسلمانوں کی زندہ لاشوں کی مدد ہوئی، وہیں ہم جیسے بہت سے مسلمان جو سوشل میڈیا پر شامی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے جانکاہ مظالم کی تصویریں دیکھ کر بھی زندہ لاش بنے بیٹھے تھے، اس سفرنامے نے ان زندہ لاشوں میں بھی احساس کی روح پھونک دی۔ پچھلے کئی سالوں سے مسلمانوں کے مرنے کٹنے کی دردناک ویڈیوز اور تصاویر سوشل میڈیا پر دیکھ رہے ہیں۔ چند لمحوں کے لیے درد و کرب کا احساس ہوتا ہے مگر اس کی چھاپ دل و دماغ پر سوار نہیں رہتی اور سوشل میڈیا کی ہمہ جہتی کسی دوسری جانب مائل کر لیتی ہے لیکن اس سفرنامہ اردن نے مظلوم مسلمانوں کے درد کو روح کی گہرائیوں میں اتار دیا اور دل و دماغ پر مسلط کر دیا۔ کہیں بھی جاؤ، کچھ بھی کرو، بار بار مظلوموں کا خیال پلٹ آتا ہے اور رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے، گویا ایسا لگتا ہے کہ اس سفرنامے نے شامی مظلوموں کے خیموں کو جارڈن سے اٹھا کر ہمارے دل و دماغ میں لا بسایا ہے اور ہم اندر ہی اندر جب تب بے اختیار جارڈن کے سفر پر نکل جاتے ہیں۔ اسی دہلی کے ایئرپورٹ سے اسی روزے کی حالت میں جارڈن پہنچتے ہیں جہاں ہمیں ڈاکٹر خالد جمعہ اور ان کے بیٹے شعیب، اصحاب کہف کے غار، کرک، مزارات صحابہ، مقام جنگ موتہ، شجر عہد رسالت، وادی ایکہ، مزار مقدس حضرت شعیب

علیہ السلام اور بحر میت سے گزار کر مظلوم شامی پناہ گزینوں کی زندہ لاشوں کی وادی میں لے جاتے ہیں۔ جہاں ہر طرف جھریوں والے بوڑھے، پاؤں گھسیٹتی بوڑھیاں، بے غیرت دیوث عربوں سے اپنی عزت بچانے کی فکر میں ڈوبی دوشیزائیں اور بدنما کپڑوں میں چمکتے خوب صورت چہرے والے بے گناہ بچے نظر آتے ہیں، کون برداشت کرے یہ نظارے؟ پھر اچانک ایک جھٹکے سے ہم اس خیالی سفر سے واپس آجاتے ہیں۔

اس وقت مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ مفتی صاحب نے غالبا مارچ کے مہینے میں "آؤ شامی مظلوموں کا کچھ ہاتھ بٹائیں" کے عنوان سے مختصر مضمون لکھ کر ان مظلوموں کی امداد کے لیے درخواست کی تھی، اس وقت میں نے اس درخواست پر کوئی خاص توجہ نہیں دی کیوں کہ اس وقت تک اس حوالے سے میں زندہ لاش کی طرح تھا، آج جب اس سفرنامے نے آنکھیں کھولیں تو اس بے توجہی کا بے حد افسوس ہے اور یہ افسوس دم بہ دم بڑھتا جارہا ہے۔

سفرنامہ موصول ہونے سے پہلے سوشل میڈیا پر میں نے ایک تصویر دیکھی تھی جس میں مفتی صاحب شامیوں کو کٹ تقسیم کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مفتی صاحب کو اس عظیم خدمت میں مصروف دیکھ کر میں خیال ہی خیال میں میری زندگی کے عہد زریں یعنی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زمانہ طالب علمی میں چلا گیا، جب میں جماعت رابعہ کا طالب علم تھا ہمارے ایک جماعت ساتھی پیر علی تھے۔ ظہرانے کے لیے مطبخ گئے تو ان کو جماعت سابعہ کے ایک طالب علم مل گئے۔ پھر کیا تھا، میری معیت سے بالکل غافل ہوکر ان سے بڑی عقیدت کے ساتھ گفتگو کرتے رہے، بعد میں جب میں نے پوچھا تو بتایا: یہ خالد ایوب بھائی ہیں ان کے مضمون "ہادی" (جامعہ اشرفیہ کا مشہور وال میگزین) میں چھپتے رہتے ہیں۔ راجستھان کے رہنے والے ہیں اور سیدھے سادھے آدمی ہیں۔

مفتی صاحب فراغت کے بعد شاید کچھ عرصہ راجستھان میں مختلف خدمات انجام دینے کے بعد اشرفیہ میں تربیت تدریس (ٹیچنگ ٹریننگ) کے لیے مدعو کیے گئے۔ جب آپ ٹریننگ کے لیے اشرفیہ تشریف لائے، اس وقت میں شعبہ تحقیق فی الفقہ کا طالب علم تھا۔ ان کی خدمات کے بارے میں

راجستھانی طلبہ کی زبانی کچھ کچھ سنا تھا، کئی بار میں نے ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں میں مفتی صاحب کی باتوں سے میں نے یہ تاثر لیا کہ درس گاہی صلاحیت کے باوجود مفتی صاحب کا عصری تقاضوں کے مطابق بلند ذوق اور اعلی ہمتی انھیں خالص درس گاہی عالم بن کر نہیں رہنے دے گی۔ جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد میں اپنے علاقے محبوب نگر، تلنگانہ میں مصروف خدمت ہوگیا اور مفتی صاحب میرے ذہن کے کسی گوشے میں گمنام ہوگئے۔

پچھلے سال "فتنہ فتح کا" کے نام سے مفتی صاحب کی سلسلہ وار ویڈیوز اور کچھ مشہور و معروف چینلز پر لائیو انٹرویوز دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مفتی صاحب پھر سے میرے ذہن میں تازہ ہوگئے اور میں باضابطہ رابطے میں رہنے لگا۔ تب سے بہت کچھ دیکھا، بہت کچھ پڑھا مگر اب مفتی صاحب کا تصور آتے ہی شامی مظلوم یاد آجاتے ہیں، اگر یہ سفرنامہ نہ آتا تو پتہ نہیں اور کب تک میں ان مظلوموں کے درد وکرب سے غافل رہتا۔

سفرناموں کا مجھے بہت پہلے سے شوق رہا ہے مفتی بدرالقادری مصباحی صاحب قبلہ ہالینڈ کے سفر ناموں کا مجموعہ "جادہ و منزل" نہ جانے میں نے کتنی بار پڑھا اور ہر بار محظوظ ہوا۔ سفرناموں کے شوق نے مفتی صاحب کے اس سفرنامہ اردن کی طرف بھی مجھے مائل کیا مگر یہ سفرنامہ کم اور مرثیہ زیادہ ثابت ہوا اور کیوں نہ ہو، یہ سفرنامہ شامی مظلوموں کی جس حالت زار کی عکاسی کرتا ہے، اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مرثیہ کے لائق ان مردوں سے زیادہ یہ زندہ لوگ ہیں جو ہر پل مر رہے ہیں، ہر گھڑی ان کے لیے اک نئی موت ہے۔ ع: مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا۔

سچ پوچھیے تو سفرنامے کی چوتھی، پانچویں اور چھٹی قسط نے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا ناداری، یتیمی، بیوگی، غربت اور ان جیسے بہت سے الفاظ بچپن سے رسمی طور پر سنتے بولتے آرہے ہیں مگر ان کے اندر کا حقیقی درد آج محسوس ہوا جس درد کو ہمارے لاکھوں مظلوم مسلمان بھائی سہ رہے ہیں۔ اس احساس نے مجھے یہ عہد کرایا: جب بھی لقمہ اٹھاؤں گا، ایک لقمہ شامی یتیموں کے لیے اٹھا کر محفوظ رکھوں گا تاکہ جب بھی کوئی ایم ایس او مظلوم یتیموں کی امداد کے لیے جائے، میرے حصے کے لقمے کسی یتیم کے خالی

برتن تک پہنچ جائیں۔ اگر سب لوگ یہ عہد کریں تو پھر کوئی خالد ایوب مصباحی امداد کے لیے تبرک لے کر نہیں جائیں گے کہ شرمندہ ہو کر لوٹنا پڑے۔

آخر میں میں یہ اعتراف کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ مفتی صاحب جس بلند فکری اور عزم مصمم کے ساتھ عصری تقاضوں کے مطابق میدان عمل میں مصروف ہیں، وہ ہم نوفارغین کے لیے مشعل راہ ہے جس کی روشنی میں دین وسنیت اور خدمت خلق کی نئی راہیں اور نئے آفاق تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

مفتی عبدالقدیر صاحب قادری مصباحی کی یادداشت سلامت، ان کی حوصلہ افزائی کا حرف حرف جیسے بندہ پروری ہے، ویسے ہی اس کی سر تا سر بنیاد حسن ظن پر ہے، ورنہ من آنم کہ من دانم۔ ہاں! اس طرز ادا نے یہ ضرور ثابت کر دیا ہے، اہل محبت زندہ ہیں اور تلنگانہ کے دور افتادہ علاقوں میں بھی ایک علمی، قلمی اور ادبی حیدر آباد بستا ہے۔

مفتی عبدالقدیر قادری کی طرح اپنے صوبہ کی نمائندگی کرتے ہوئے مندسور، ایم پی کے مولانا محمد حسین نظامی نے مختصر اہندی زبان میں راقم کی پوری زندگی کھنگالتے ہوئے بہت کچھ لکھا، جو ان کا بڑکپن ہے، ورنہ رشتہ ایمانی کے علاوہ موصوف سے نہ کوئی پرانا یارانہ، نہ کبھی شرف لقا اور نہ کوئی مضبوط تعارف، یہ محبت محض دینی محبت ہے، جس کے لیے وہ میرے شکریہ کے ساتھ ان شاء اللہ تعالی بارگاہ الٰہی سے اجر کے بھی حق دار ہیں۔ تنگی وقت کا سہارا لیتے ہوئے میں اپنے ان احباب سے بجا معذرت خواہ ہوں جنھیں یہاں جگہ نہ دے سکا۔ اللہ رب العزت ان تمام احباب سمیت ہر محبت کرنے والے کو سلامت رکھے اور ہم سب کو مشترکہ طور پر حضور ﷺ کی محبوب، مظلوم، پریشان حال اور زار زار امت کی ہمہ جہت، ہمہ دم خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور اس طرح کی خدمتوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول بھی بخشے۔ آمین۔

یہاں پھر سے دو باتوں کی وضاحت مناسب ہے: ایک یہ کہ یہ سفر ملک شام کا نہیں تھا جیسا کہ کچھ احباب نے سمجھا اور کچھ نے لکھا بولا بلکہ شامی مسلمانوں کی مدد کے لیے جارڈن کا تھا، جہاں بہت

بڑی تعداد میں یہ مظلوم پناہ گزیں ہیں۔ شاید ان احباب کو شامیوں سے شام کی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ہاں! ابتداء یہ کوشش ضرور تھی کہ براہ راست شام جانا ہو، لیکن یہ بھی افسوس ناک بات ہے کہ وہاں کے حالات کی ابتری کی وجہ سے وہاں جانا ممکن نہ ہوا کیوں کہ وہ مبارک ملک اس وقت کسی بھی طرح محفوظ نہیں۔

دوسری بات یہ کہ یہ پورا کام مسلم اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن آف انڈیا کی سرپرستی میں دوسری بہت سی تنظیموں کے بینر تلے ہوا جس میں فقیر سمیت ملک بھر کے احباب کا ایثار و خلوص شامل رہا، اس لیے اس کا کریڈٹ ان تنظیموں اور ان کے واسطے سے تمام معاونین کو جاتا ہے، سو میں اپنے حصے کی تمام ستائشیں پوری امانت داری کے ساتھ ان کرم فرما تنظیموں اور معاون احباب کے حوالے کرتا ہوں۔

اب یہ بدگمانی بھی دور ہو جانی چاہیے کہ یہاں ان طول طویل تاثرات کے نقل کا مقصد کوئی قصیدہ خوانی نہیں بلکہ اس کے چند بنیادی اہداف ہیں: ہم نے دیکھا کہ ان تحریروں میں بندہ پروری کے ساتھ درس عبرت بھی ہے اور حوصلہ افزائی بھی۔ ہم نے یہاں یہ تاثرات اسی لیے کاپی کیے ہیں تاکہ ہمارا ملی احساس بیدار ہو، یادگاری امت کی سنت ادا ہو، انسانیت کا درد جاگے، عمر ناپائیدار کا بھرم ٹوٹے اور پھر ایک نئے ولولے کے ساتھ باکار اور جواں حوصلہ افراد کی قوت فکر و عمل کو پر لگیں، انھیں ملی مسائل کی طرف ترغیب ملے اور یہ کلمات ان کے لیے باعث تشویق ثابت ہوں اور ساتھ ہی ہمارے تمام کرم فرما محبین کے جذبہ حوصلہ افزائی کا تحریری شکریہ بھی ادا ہو جائے۔ ورنہ ہمارا اپنا اعتقاد یہ ہے کہ ان ستائشی کلمات کی بنیاد صرف حسن ظن پر ہے اور بس۔ کیوں کہ ہمیں اپنی حیثیت کا خوب علم ہے اور یہ بھی نہاں خانہ میں نقش ہے: نہ ہمارا یہ کام کوئی خاطر خواہ کام ہے، نہ یہ مظلوم امت کے قرض کی بحسن و خوبی ادائیگی اور نہ ہی اس طرح کے حادثاتی کام کسی حوصلہ افزائی کے مستحق بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا، تبرک تقسیم کرنے جیسا ہے جو کسی شکریہ کا حق دار نہیں اور ہنوز صرف کام کا احساس جاگا ہے، کام کرنا تو ابھی قرض ہے جس کی ادائیگی پوری ملت پر اجتماعی طور پر فرض ہے۔

ان تاثرات کے زیر و بم سے ایک خاص سبق یہ بھی ملا: آج کے دور قحط الرجال میں بھی قدر داں ہیں، سوشل میڈیا کی گرم بازاری میں بھی قاری زندہ ہیں، معاشرے کی تمام تر بے حسی کے درمیان اب بھی حساس سانسیں لے رہے ہیں، سطحیت کی تمام وسعتوں کے باوجود گہری نگاہ رکھنے والے خال خال ہی سہی، اس وقت بھی ہیں اور ان افراد کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ امت کی جو ضرورتیں چیخ چیخ کر اپنا مدعا بیان کر رہی ہیں، مردان میدان کے لیے اب بھی میدان کھلا ہوا ہے: فھل من مبارز؟

مذکورہ احباب کے علاوہ سوشل میڈیا پر جن احباب نے جس طرح بھی اپنے بڑکپن کا مظاہرہ کیا، اللہ تعالی ان کو اپنی شان کریمی کا حصہ عطا فرمائے۔ معاصر احباب کے بعد جن بزرگوں نے دعائیں دیں ان کی بھی ایک فہرست ہے جن میں دار الخیر اجمیر معلی سے حضرت علامہ سید مہدی میاں اور دار السلطنت دہلی سے حضرت علامہ یسین اختر مصباحی کا نام کافی ہے۔ اس لیے نہیں کہ انھوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی بلکہ اس لیے کہ یہ حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ان کا یہ مزاج دراصل جہاں اخلاص قلب کا غماز ہے وہیں حسن اخلاق کا بھی واضح اشاریہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمارے ہر بزرگ کو قائدانہ صلاحیت اور واقعی قائدوں کو مردانہ ہمت دے۔

عالم اسلام کی حالت زار:۔ ابھی تک ہم نے جن پریشان حال لوگوں کی حالت زار پر بات کی، وہ شام کے مسلمان تھے، لیکن شامیوں کے درد پریشان کا یہ مطلب نہیں کہ باقی مسلم دنیا پر سکون زندگی گزار رہی ہے۔ بے شک شامیوں کے حالات انتہائی خستہ ہو سکتے ہیں لیکن شامیوں کے علاوہ برما، فلسطین اور یمن کے مسلمانوں کے حالات بھی شامیوں سے کچھ انیس نہیں۔

رفاہی کاموں میں ہمارا اجماعتی جمود:۔ یہ افسوس ناک حقیقت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ جماعت اہل سنت سیاسی، معاشی اور تعلیمی میدانوں کی طرح رفاہی کاموں میں بھی حسب مزاج دو قدم پیچھے ہیں بلکہ نسبتا زیادہ پیچھے ہیں۔ اس پر سیکڑوں ارباب قلم کے مرثیہ کے ساتھ فقیر راقم الحروف کے بھی کچھ مضامین عام ہو چکے ہیں جبکہ یہ ایسی سچائی ہے جس پر کسی کا کوئی مضمون نہ بھی آئے تو آنکھ والا یہ حقیقت کھلے بندوں دیکھ سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے اس مایوس کن حقیقت کے احقاق و تحقیق سے زیادہ

توجہ اس کے ازالے پر مرکوز ہونی چاہیے، جس کے لیے بہت بڑے پیمانے پر مضبوط لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے، سر دست ایک بچکانہ خیال پیش ہے جس پر فی الوقت فقیر کا کام جاری ہے اور یہاں اس امید کے ساتھ عرض ہے کہ سفرنامہ پڑھ کر حقیقت حال جاننے والے، سمجھنے والے، حوصلہ افزائی کرنے والے، کار خدمت میں مدد کا وعدہ کرنے والے اور تمام درد دل رکھنے والے احباب اس پاکیزہ سلسلے کا حصہ بنیں گے۔

ہند سطح پر امت کے درد کا کامیاب علاج:۔

ملکی سطح کی ایک رفاہی تنظیم بنے جس کا بنیادی مقصد عام طور پر کچھ رفاہی کام کرنے کے علاوہ خاص طور پر فلسطین، شام، برما اور یمن جیسے علاقوں کے پریشان حالوں کی سالانہ مدد کرنا ہو کیوں کہ حالات کی ابتری اتنی خطرناک شکل اختیار کر چکی ہے کہ جب تک منظم اور مستقل کام نہیں ہو گا، اس طرح کی حادثاتی امدادوں سے فوٹوگرافی کے علاوہ خاطر خواہ نتائج برآمد ہونے والے نہیں اور نہ ہی اس طرح کی چھوٹی امدادوں سے حکومتی سطح کا کوئی بڑا امدادی کام ممکن ہے جبکہ ظاہر ہے شام سمیت ہر جگہ کے مظلوم و مہاجر لوگوں کو مستقل مدد ضرورت ہوتی ہے جو کسی حکومت کے انتظام و انصرام سے ہی ممکن ہے لیکن ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حکومتی سطح پر یہ کام کروانے بلکہ اس نوعیت کے کام کی بات اٹھانے کے لیے بھی خاطر خواہ مالی سپورٹ درکار ہوتا ہے اور ہمارے پاس سب سے زیادہ اسی کی کمی ہے۔

﴿﴾ ملک بھر سے تنظیم کے پچاس نمائندے ہوں جو یا تو کسی علاقائی یا بڑی تنظیم سے وابستہ ہوں یا اپنے آپ میں بہت متحرک اور درد مند ہوں۔ یہی پچاس نمائندے تنظیم کے مستقل ارکان شوری ہوں جن میں سے سب کی حیثیت ممبر اور خادم کی ہو، پوری تنظیم میں نہ کوئی رسمی صدر ہو اور نہ کوئی سکریٹری تاکہ عہدوں کی وجہ سے کام ثانوی درجے میں نہ چلا جائے اور نہ تلخ تجربات کے مطابق کل عہدوں کا کوئی نیا تنازع کھڑا ہو۔ ہاں! اعلی انتظامی امور کی دیکھ ریکھ کے لیے ایک دو شخص مستقل کنوینر وغیرہ ضرور ہوں تاکہ اجیر عملہ کے ساتھ مل کر سلسلہ کار مستقل طور پر جاری رہ سکے۔

﴿﴾ یہ پچاس نمائندے اپنے اپنے طور پر ایسے دس افراد کو تنظیم سے وابستہ کریں گے جو سالانہ گیارہ ہزار روپئے بطور امداد دے سکیں۔ یہ مجموعی رقم پچپن لاکھ بنتی ہے۔

﴿﴾ ان پچپن لاکھ میں سے پانچ لاکھ روپئے آفس کے انتظامات، عملہ کی تنخواہ اور دیگر ضروریات میں صرف ہوں اور پچاس لاکھ روپئے سالانہ بطور فیصد رفاہ عام میں خرچ ہوں یعنی کچھ فیصد حصہ ہندوستان میں پناہ گزیں روہنگیا مسلمانوں کی تعلیم پر، کچھ فیصد بے قصور ہندوستانی قیدیوں کی رہائی پر، کچھ فیصد غریبوں کی شادیوں پر، کچھ فیصد بیواؤں کی خاموش امداد پر، کچھ فیصد مزید کچھ مفید کاموں پر، یہ کل ملا کر پچاس فیصد بنے اور باقی پچاس فیصد یعنی بالکل آدھم آدھ رقوم غیر ملکی مظلوموں، مہاجروں اور بے سہاروں کی مدد کے لیے خرچ ہو۔

﴿﴾ یہ تنظیم کے نمائندہ پچاس افراد کون ہوں گے؟ ذاتی طور پر ان کا کوئی تعین نہیں بلکہ اسلامیان ہند کا ہر با حوصلہ مرد میدان اس بات کا صد فی صد مستحق ہے کہ وہ بڑھ کر لبیک کہے اور ہمارے اس کار خیر کا حصہ بنے۔

﴿﴾ درج بالا کاموں کے علاوہ کچھ کام وہ ہوں گے جو اس تنظیم کے افراد اس کے بینر تلے کریں گے لیکن ان میں اس بجٹ کا کوئی حصہ صرف نہیں ہوگا جیسے شجر کاری، نشہ کے خلاف تحریک، تعلیمی بیداری تحریک اور لٹریچر کی تعمیم وغیرہ۔

﴿﴾ درج بالا فوائد کے علاوہ یہ تنظیم اس لیے بھی ضروری ہے کہ فی الوقت ہندوستان سطح پر ایک ایسی تنظیم کی بڑی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے جو اہل سنت کی بہت ساری تنظیموں کا عطر مجموعہ ہو کیوں کہ انفرادی اور علاقائی سطح پر ہمیں جو کچھ کرنا ہوتا ہے، ہم اپنے اپنے طور پر سال بھر اپنی تنظیموں کے پرچم تلے کرتے رہتے ہیں لیکن بارہا ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں جب اجتماعیت کے اظہار کا موقع ہوتا ہے یا کوئی کام بیک وقت کئی جگہ سے کرنا کرانا ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر اجتماعیت کے فقدان یا فکری ہم آہنگی نہ ہو پانے کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہو پاتا اور ایک چھوٹی کمی کی وجہ سے بڑا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

ان شاء اللہ تعالی ہماری یہ تنظیم ایک ایسا ہی سنگم ہوگی جس میں بظاہر کسی فرد واحد کی نہ صدارت ہوگی نہ کوئی خاص عہدہ داری لیکن یہ تنظیم کئی ایک چھوٹے بینرس کا بڑا روپ ہوگی اور اس طرح بطور انفرادیت علاقائی سطحوں پر ہمارے جتنے کام ہوں گے، اپنے اپنے پرچم تلے اپنے اصولوں کے مطابق جاری رہیں گے لیکن جب کبھی اجتماعیت کی ضرورت محسوس ہوگی، ہماری ان چھوٹی تنظیموں کے ساتھ یہ بینر بطور خاص ہوگا تاکہ وسائل کی کمی اور ہماری علاقائی تنظیموں کا حجم چھوٹا ہونے کی وجہ سے جو کام نہیں ہو پا رہے ہیں، وہ اس بینر سے ممکن ہوں۔

واضح رہے کہ اس طرز عمل میں کسی بھی تنظیم کی تدفین نہیں ہے بلکہ در اصل یہ چھوٹے ذرائع سے بڑے کام کرنے کا ہنر ہے اور ارباب فکر و تدبر اس کی افادیت و اہمیت خوب محسوس کر سکتے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ فی الوقت یہ خاکہ فرد واحد کے ذہن کی اپج ہے جس میں حسب ضرورت ترمیم کی ہمہ وقت گنجائش ہے البتہ بنیادی ڈھانچہ اسی قسم کا ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

دوستو! کئی دنوں کی رفاقت کے بعد آج اس مسافرت سے جدائیگی کا وقت آچکا ہے، ہم تہہ دل سے مشکور ہیں کہ آپ نے شروع سے اخیر تک دم دم ساتھ نبھایا، شوق سے پڑھا اور حوصلہ افزائی کی۔ یہ سفرنامہ در اصل دو قسم کی زندہ لاشوں کا مرثیہ تھا۔ ایک قسم وہ جو شام کے نام پر مظلومیت کا نشان بنے ہوئے ہیں اور ہزار حسرتوں کے ساتھ دنیا کے پچاس سے زائد مسلم ملکوں میں بس رہے ہزاروں مسلمانوں میں سے کسی ایک مجاہد کی راہ تک رہے ہیں۔ دوسری قسم ان لاشوں کی تھی جو ہندوستان سمیت دنیا بھر میں اپنے ان بھائیوں کی حالت زار سے بالکل بے فکر اپنی متاع حیات کی تلاش میں سر گرداں ہیں، اس قدر سرگرداں کہ ان کے پاس اپنے احساس زیاں کا جنازہ پڑھنے کا بھی وقت نہیں۔

ہم نے اس مرثیہ میں ضمنا مالہ و ماعلیہ کے ساتھ بات کی۔ ہم نے اپنے بھائیوں کی حالت زار بھی دیکھی اور اس کا پس منظر بھی۔ ہم نے اسلامی دنیا کی نااہلی کے بارے میں بھی جانا اور اس کے خمیازہ کی داستان بھی سنی۔ ہم نے عربوں کی دیوثی پر کڑھن کا اظہار بھی کیا اور ان کی تباہی کی بد دعائیں بھی۔ ہم نے مظلوم شامیوں کے تباہ تباہ ماضی میں بھی جھانکا اور محسوس آنکھوں سے ان کا زار زار مستقبل بھی

دیکھا۔ ہم نے جہاں اپنی امدادوں کو تبرک سمجھا، وہیں ان کی ضرورتوں کی چیختی پکاریں بھی سنیں۔ ایک طرف اگر تباہ بڑھاپے دیکھے تو دوسری طرف لٹتی جوانیاں اور سسکتے بچپن بھی دیکھے۔ لیکن ہم جانتے ہیں: نہ افسوس حل ہے، نہ ماتم کدوں سے مسائل سلجھتے ہیں۔ نہ رخسار پر ڈھلکتے آنسوؤں کے قطرات کسی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں اور نہ اندر ہی اندر ان حالات کی کڑھن کسی کا بھلا کر سکتی ہے بلکہ جو کام ، کام کا ہے، وہ کام ہی سے حل ہونا ہے۔ جو ضرورت درہم و دینار کی ہے، وہ اسی سے پوری ہو سکتی ہے۔

اس لیے آئیے! اب اس سفر کا اختتام ایک پیغام عمل، ایک عزم مصمم، ایک حرکت پیہم اور ایک احساس زندہ ضمیری کے ساتھ کرتے ہیں، اس پر امید اعتقاد کے ساتھ کہ اسلام مایوسی کا نہیں، امیدوں کا مذہب ہے اور اسلام جس خدا کو ماننے کی دعوت دیتا ہے، وہ خدا عاجز نہیں، ایسا قادر ہے کہ جب سب سہارے ٹوٹ چکے ہوں، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالی ہم اس تنظیم کو ڈھال بنا کر ایک تازہ دم حوصلے کے ساتھ اٹھیں گے اور اپنی عظمت رفتہ کو لوٹا کر دم لیں گے۔ ہمیں انتظار رہے گا اس فہرست کو دراز کرنے کا جس میں اس مرد قلندر کا نام درج ہو جو اس تنظیم کا دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ بنے۔ توفیق بہر حال اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔ اگر ہماری ذات سے کسی کا بھلا ہوتا ہے تو یہ اس کریم کی مہربانی جو ابابیل سے کام لینے پر قادر ہوتے ہوئے بھی ہمیں خدمت خلق کا اعزاز بخش رہا ہے اور اگر کوئی جانتے بوجھتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پا رہا ہے تو اسباب کا رونا رو کر اپنے دل کو جھوٹی تسلی دینے کی کوشش نہ کرے بلکہ توفیق ملے تو اس کی بارگاہ بے نیاز سے گدائے سلیماں بن کر یہ توفیق مانگے: رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ۔ (سورہ نمل، 19)

کیوں کہ اصل دولت یہی توفیق ہے اور یہ سب کے مقدر کا حصہ نہیں۔ کیا خوب فیصلہ فرمایا گیا:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ (سورہ تکویر، 29)

یار زندہ، صحبت باقی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی وبرکاتہ۔

ہماری اردو کتابیں:

(1) بہار تحریر۔عبد مصطفی آفیشل

علمی تحقیقی اور اصلاحی تحریروں پر مشتمل ایک گلدستہ جس کے اب تک چودہ حصے شائع ہو چکے ہیں۔ ہر حصے میں پچیس تحریریں ہیں جو مختلف موضوعات پر ہیں۔

(2) اللہ تعالی کو اوپر والا یا اللہ میاں کہنا کیسا؟۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں کئی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کو اوپر والا یا اللہ میاں کہنا جائز نہیں ہے۔

(3) اذان بلال اور سورج کا نکلنا۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں ایک واقعے کی تحقیق پیش کی گئی ہے جس میں حضرت بلال کے اذان نہ دینے پر سورج نہ نکلنے کا ذکر ہے۔

(4) عشق مجازی (منتخب مضامین کا مجموعہ)۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں کئی احباب کے مضامین شامل کیے گئے ہیں جو عشق مجازی کے تعلق سے ہیں، عشق مجازی کے مختلف پہلوؤں پر یہ ایک حسین سنگم ہے۔

(5) گانا بجانا بند کرو، تم مسلمان ہو!۔عبد مصطفی آفیشل

اس مختصر سے رسالے میں گانے بجانے کی مذمت پر کلام کیا گیا ہے اور گانوں کے کفریہ اشعار بیان کئے گئے ہیں جسے پڑھ کر کئی لوگوں نے گانے بجانے سے توبہ کی ہے۔

(6) شب معراج غوث پاک۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں ایک مشہور واقعے کی تحقیق بیان کی گئی ہے جس میں حضرت غوث اعظم کی شب معراج ہمارے نبی علیہ السلام سے ملنے کا ذکر ہے۔

(7) شب معراج نعلین عرش پر۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں ایک واقعے کی تحقیق پیش کی گئی ہے جس میں معراج کی شب حضور نبی کریم علیہ السلام کا نعلین پہن کر عرش پر جانے کا ذکر ہے۔

(8) حضرت اویس قرنی کا ایک واقعہ۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں حضرت اویس قرنی کے اپنے دندان شہید کر دینے والے واقعے کی تحقیق بیان کی گئی ہے اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ کے آخری رسول علیہ السلام کے دندان شہید ہوئے تھے یا نہیں اور ہوئے تو اس کی کیفیت کیا تھی اور کئی تحقیقی نکات شامل بیان ہیں۔

(9)ڈاکٹر طاہر اور وقار ملت۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ مجموعہ ہے ان فتاوی کا جو حضرت علامہ مفتی وقار الدین قادری علیہ الرحمہ نے ڈاکٹر طاہر القادری کے لیے لکھے ہیں، یہ فتاوی ڈاکٹر طاہر القادری کی گمراہی ثابت کرتے ہیں۔

(10)مقرر کیسا ہو؟۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں آپ پڑھیں گے کہ تقریر کرنے کا اہل کون ہے، یہ کس کے لیے جائز ہے اور ایک مقرر کے اندر کون کون سی باتیں ہونی چاہییں۔

(11)غیر صحابہ میں ترضی۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں کئی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ کے علاوہ بھی ترضی (یعنی رضی اللہ تعالی عنہ) کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(12)اختلاف اختلاف اختلاف۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ اہل سنت میں موجود فروعی اختلافات کے حوالے سے ہے، اس میں اس بات کا بیان ہے کہ جب کبھی علماے اہل سنت کے مابین کوئی مسئلہ اختلافی ہو جائے تو اس میں کیسی روش اختیار کی جانی چاہیے۔

(13)چند واقعات کربلا کا تحقیقی جائزہ۔عبد مصطفی آفیشل

واقعات کربلا کے حوالے سے اہل سنت میں بے شمار واقعات ایسے آ گئے ہیں جو شیعوں کی پیداوار ہیں، اس رسالے میں ہم نے چند واقعات کی تحقیق پیش کی ہے جو کہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے، اس تحقیقی رسالے میں کئی علمی نکات مرقوم ہیں۔

(14)بنت حوا(ایک سنجیدہ تحریر)۔کنیز اختر

عورتوں کی زندگی میں پیدائش سے لے کر نکاح اور پھر بعدہ کے معاملات کی اصلاح کے لیے اس رسالے کو ایک الگ انداز میں لکھا گیا ہے۔

(15)سیکس نالج (اسلام میں صحبت کے آداب)۔عبد مصطفی آفیشل

اسلام میں جنسی تعلقات اور اس حوالے سے جدید مسائل پر یہ رسالہ بڑے ہی عام فہم انداز میں لکھا گیا ہے اور آسان ہونے کے ساتھ ساتھ یہ رسالہ دلائل سے بھی مزین ہے۔

(16) حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعے پر تحقیق۔عبد مصطفی آفیشل

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق مشہور واقعات کی تحقیق پر یہ رسالہ لکھا گیا ہے، کئی حوالوں سے اصل روایات اور ان کی کیفیت کو انبیا کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔

(17) عورت کا جنازہ۔جناب غزل صاحبہ

عورت کے جنازے کو کون کون دیکھ سکتا ہے؟ کون کون کندھا دے سکتا ہے؟ کیا شوہر کندھا نہیں دے سکتا؟ اور ایسے کئی سوالات کے جوابات آپ کو اس رسالے میں ملیں گے۔

(18) ایک عاشق کی کہانی علامہ ابن جوزی کی زبانی۔عبد مصطفی آفیشل

ایک عاشق کی بڑی دل چسپ کہانی ہے جس میں مزاح ہے، تفریح ہے، سبق ہے اور عبرت ہے۔ اس واقعے کو علامہ ابن جوزی کی کتاب ذم الھوی سے لیا گیا ہے۔

(19) آئیے نماز سیکھیں۔عبد مصطفی آفیشل

اس کتاب میں نماز پڑھنے اور اس سے متعلق زیادہ سے زیادہ مسائل کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصطلاحات کو آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے اگلے حصوں پر بھی کام جاری ہے۔

(20) قیامت کے دن لوگوں کو کس کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں اس بات کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ماں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا یا باپ کے نام سے

(21) محرم میں نکاح۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں بیان کیا گیا ہے کہ ماہ محرم الحرام میں بھی نکاح جائز ہے اور اسے ناجائز کہنا بالکل غلط ہے، محرم میں غم منانا یہ کوئی اسلامی رسم نہیں اور چاہے گھر بنانا ہو یا مچھلی، انڈہ اور گوشت وغیرہ کھانا سب محرم میں جائز ہیں۔

(22) روایتوں کی تحقیق (پہلا حصہ)۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ اہل سنت میں مشہور روایتوں کی تحقیق پر مشتمل ہے، اس میں روایتوں کی تحقیق بیان کی گئی ہے۔ صحیح روایتوں کی صحت پر اور باطل روایتوں کے موضوع و بے اصل ہونے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں، اس کے اور بھی حصوں پر کام

جاری ہے۔

(23)روایتوں کی تحقیق (دوسرا حصہ)۔عبد مصطفی آفیشل

یہ روایتوں کی تحقیق کا دوسرا حصہ ہے، اس کے اور بھی حصوں پر کام جاری ہے۔

(24)بریک اپ کے بعد کیا کریں؟۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ ان نوجوانوں کے لیے لکھا گیا ہے جو عشق مجازی میں دھوکا کھا کر اپنی زندگی کے سفر کو جاری رکھنے کے لیے راہ تلاش کر رہے ہیں۔

(25)ایک نکاح ایسا بھی۔عبد مصطفی آفیشل

یہ ایک سچی کہانی ہے، ایک نکاح کی کہانی، اس میں جہاں اسلامی طریقے سے نکاح کو بیان کیا گیا ہے وہیں اس پر عمل کی کوشش بھی کی گئی ہے، ہے تو یہ ایک کہانی پر اس میں آپ تحقیقی نکات بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

(26)کافر سے سود۔عبد مصطفی آفیشل

اس رسالے میں آپ پڑھیں گے کہ ایک کافر اور مسلمان کے درمیان سود کی کیا صورتیں ہیں؟ اور ساتھ ہی لون، بینک اور ڈاک سے ملنے والے منافع پر علماے اہل سنت کی تحقیق بھی شامل رسالہ ہے۔

(27)میں خان تو انصاری۔عبد مصطفی آفیشل

اسلام میں قوم، ذات اور برادری وغیرہ کی اصل پر یہ ایک تحقیقی کتاب ہے، اس مساوات کو قائم کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، کفو کے مسئلے پر تحقیقی مواد بھی شامل کتاب ہے۔

(28)روایتوں کی تحقیق (تیسرا حصہ)۔عبد مصطفی آفیشل

یہ روایتوں کی تحقیق کا تیسرا حصہ ہے، اس کے دو حصوں کا ذکر ہم کر آئے ہیں، اس کے چوتھے حصے پر کام جاری ہے۔

(29)جرمانہ۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ مالی جرمانے کے متعلق لکھا گیا ہے۔ مالی جرمانہ فقہ حنفی میں جائز نہیں ہے اور اسے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

(30)لا الہ الا اللہ، چشتی رسول اللہ؟۔عبد مصطفی آفیشل

یہ رسالہ اولیا کی ایک خاص حالت کے بیان میں ہے جسے "سکر" اور "شطحیات" وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تعلق سے اہل سنت کے معتدل موقف کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ان کے لیے دعوت فکر ہے جو افراط و تفریط کے شکار ہیں۔

(31)تحقیق عرفان فی تخریج شمول الاسلام-عرفان برکاتی

یہ اعلی حضرت، امام احمد رضا بریلوی کی کتاب شمول الاسلام پر تخریج ہے۔

(32)اصلاح معاشرہ(منتخب احادیث کی روشنی میں)-عرفان برکاتی

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ کے لیے احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔اصلاح معاشرہ کے حوالے سے یہ ایک اچھی کتاب ہے۔

(33)کلام عبید رضا-عبد مصطفی آفیشل

یہ الحاج اویس رضا قادری پاکستانی کے کلام کا مجموعہ ہے۔

(34)مسائل شریعت(جلد1)-سید محمد سکندر وارثی

اس کتاب میں تقریباً سات سو سوال جواب ہیں۔روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کثرت سے موجود ہیں۔فقہ حنفی کی روشنی میں مسائل کو بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(35)اے گروہ علما کہ دو میں نہیں جانتا-مولانا حسن نوری گونڈوی

یہ مختصر سا رسالہ ایک اہم پیغام پر مشتمل ہے کہ علما و عوام سب کو چاہیے کہ لاعلمی کا اعتراف کرنے کی عادت ڈالیں اور جہاں علم نہ ہو وہاں تکلف کر کے جواب نہ دیتے ہوئے کہ دیا جائے کہ میں نہیں جانتا۔

ABOUT US

Abde Mustafa Official is a team from **Ahle Sunnat Wa Jama'at** working since 2014 on the Aim to propagate **Quraan and Sunnah** through electronic and print media.

We are :

blogging, publishing books and pamphlets in multiple languages on various topics, running a special matrimonial service for Sunni Muslims.

Visit our official website :

www.abdemustafa.in

about thousands of articles & 200+ pamphlets and books are available in multiple languages.

E Nikah Matrimony

if you are searching a Sunni life partner then **E Nikah** is a right platform for you.

Visit **www.enikah.in**

Or join our Telegram Channel

t.me/enikah (search "E Nikah Service" in Telegram)

Follow us on Social Media Networks :

/abdemustafaofficial

For more details WhatsApp **+91 91025 20764**

OUR BRANDS :

SABIYA VIRTUAL PUBLICATION

enikah E NIKAH MATRIMONY SERVICE

BOOKS ROMAN BOOKS

niii NIKAH AGAIN SERVICE

AMO

powered by Abde Mustafa Official